ماہنامہ

آنکھ مچولی

مئی سنہ ۱۹۹۱ء کراچی

اس شمارے کے ساتھ اپنے کمسن بہن بھائیوں اور نو عمر طالب علموں کے لئے آنکھ مچولی کا تحفہ "تتلی" مفت حاصل کیجئے۔

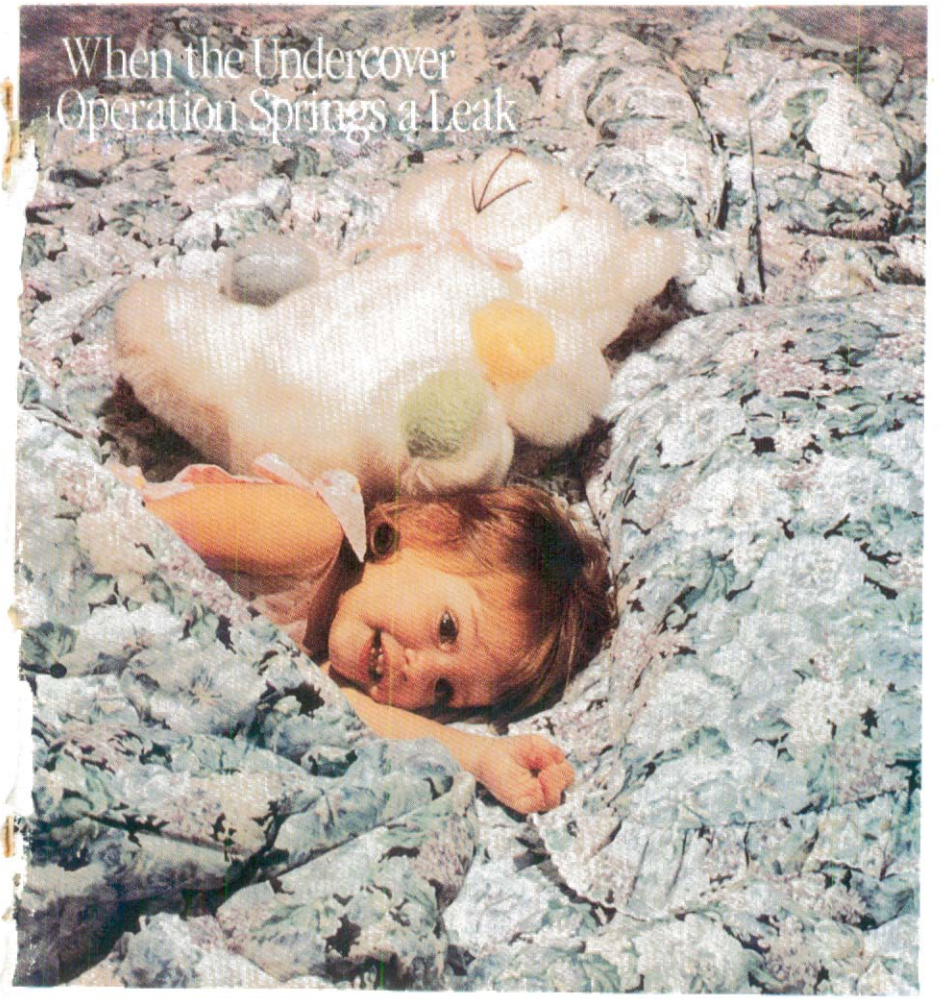

Trust Your Comforter to Your Drycleaner

Snowhite
DRY CLEANING INDUSTRIES
Karachi - Multan - Lahore - Rawalpindi

IMAGE Communications

Adarts – HRA-1/91

نیشنل بینک آف پاکستان

میں پاکستانی حضرات

فارن کرنسی اکاؤنٹ

کھول سکتے ہیں

جہاں زیادہ منافع اور بہتر خدمت ہمارا افتخار ہے

نمایاں خصوصیات

- بیرونی ممالک میں مقیم پاکستانی (وہ بھی جو دوہری شہریت رکھتے ہیں) خود اپنے ہی ملک میں سکونت پذیر اہلِ وطن غیر ملکی باشندگان، غیر ملکی ادارے اور کمپنیاں اب نیشنل بینک آف پاکستان کی مجاز شاخوں میں فارن کرنسی اکاؤنٹ کھول سکتے ہیں۔
- یہ اکاؤنٹ امریکی ڈالر، برٹش پاؤنڈ، جرمن مارک اور جاپانی ین میں انفرادی اور مشترکہ طور پر کھولے جا سکتے ہیں۔
- دوسرے ممالک سے بھیجا جانے والا زرمبادلہ اور جاری شدہ ٹریولرز چیکس نیز فارن ایکسچینج بیئرر سرٹیفکیٹس کی خرید و فروخت سے حاصل ہونے والا زرمبادلہ اور فارن کرنسی ان کھاتوں میں جمع کرائی جا سکتی ہے۔
- فارن کرنسی کو ان کھاتوں میں جمع کرنے یا نکالنے پر کوئی حد نہیں۔
- ان کھاتوں سے رقوم کی منتقلی دنیا کے کسی بھی حصے میں کی جا سکتی ہے۔
- فارن کرنسی اکاؤنٹ میں جمع کی جانے والی رقوم کے بارے میں کسی بھی قسم کی پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔
- یہ کھاتے غیر معینہ مدت کے لیے رکھے جا سکتے ہیں
- ان کھاتوں پر شرح منافع پرکشش اور زیادہ ہے۔
- فارن کرنسی اکاؤنٹ رکھنے والے کھاتہ دار جو دوسرے ملکوں میں مقیم یا سکونت پذیر ہیں اپنی جمع کردہ بیرونی کرنسی کے عوض پاکستانی کرنسی کے اندر قرض حاصل کر سکتے ہیں
- یہ اکاؤنٹس انکم ٹیکس، دولت ٹیکس اور زکوٰۃ کی کٹوتی سے مستثنیٰ ہوں گے۔

وطن کو رقم کی ترسیل

ملک کے اندر ہماری ایک سو سے بھی زیادہ شاخیں غیر ملکی زرمبادلہ میں ہر قسم کے کاروبار کے لیے تکنیکی اور ماہرانہ صلاحیت کے ساتھ خدمت کے لیے حاضر ہیں۔ نیشنل بینک آف پاکستان، سعودی عرب میں شریک کارادارہ بینک الجزیرہ (۲۷ شاخیں) اور نیشنل ایکسچینج کمپنی متحدہ امارات (۵ شاخیں) فیکس ٹیلکس یا ٹیلی گرام کے ذریعے پاکستانی رقوم بھیجنے کی خدمات انجام دیتی ہیں۔ اس ضمن میں فیکس، ٹیلکس اور ٹیلی گرام کے چارجز نہیں لیے جاتے۔

نیشنل بینک آف پاکستان دنیا کے تمام اہم مراکز میں اپنی قائم شدہ شاخوں کے ذریعے خدمت کے لیے موجود ہے۔ ہماری دیگر شاخوں کے علاوہ نیویارک، واشنگٹن، شکاگو، لندن، پیرس، فرینکفرٹ، بحرین، ٹوکیو، ہانگ کانگ اور سیول اہم شاخیں ہیں جہاں آپ کی خدمت توجہ سے کی جاتی ہے۔

نیشنل بینک آف پاکستان
آپ کی خدمت
ہمارا افتخار

ہیڈ آفس: آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی۔ پاکستان ٹیلی فون: ۲۴۱۶۷۸۰-۱۰ لائنیں ۲۴۱۳۰۴۱-۲۴۱۲۰۴۱-۵ لائنیں
ٹیلکس: ۲۳۷۳۲-۲۳۷۳۳-۲۳۷۳۴-۲۳۱۶۹-۲۸۰۶۷۔ این بی پی پاک فیکس: ۲۴۱۶۴۷۹

United PID-1-16/91

بہترین رسالے کا ایوارڈ حاصل کرنے والا پاکستانی بچوں کا واحد ماہنامہ

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

آنکھ مچولی

مدیر اعلیٰ
ظفر محمود شیخ

مدیر مسئول
تجمل حسین چشتی

مشاورت
مشفق خواجہ — امجد اسلام امجد

مدیران اعزازی
طاہر مسعود — محمد سلیم مغل

مجلس ادارت
شاہ نواز فاروقی — ساجد سعید — منیر احمد راشد

اشتہارات
محمد عرفان

سرکولیشن
ریاض احمد

نمائندہ امریکہ
عبدالرشید خان

اشفاق نیوز ایجنسی
گوجرانوالہ روڈ. شیخوپورہ

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جاسکتی۔

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن وحدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

ماہنامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن کے زیرِ سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے شائع کیا۔

جلد-۵ شمارہ-۱۱ مئی ۱۹۹۱ء شوال / ذیقعد ۱۴۱۱ھ فون-۲۹۹۱۷۸

ناشر: ظفر محمود شیخ ، طابع: زاہد علی ، مطبع: لاریب پرنٹنگ پریس ایم اے جناح روڈ، کراچی
خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ آنکھ مچولی - گرین گائیڈ اکیڈمی - ۱۱۲-ڈی ، نورس روڈ سائٹ، کراچی

قیمت
۱۰ روپے — ۷ درہم — ۷ ریال

حسنِ ترتیب

۸	تاریخ کے دریچے سے		ادارہ
۹	پہلی بات		ظفر محمود شیخ
۱۱	کامیاب زندگی کا راز		مجود شاھد
۱۴	ڈیر ایڈیٹر		ادارہ
۱۹	گاؤں کی زندگی	(نظم)	ضیغم حمیدی
۲۰	آزادی		سیّد نظر زیدی
۲۸	پاک وطن	(نظم)	عنبر چغتائی
۲۹	اُونچی کوٹھی کے اندھیرے		عظمیٰ تسنیم
۳۳	اگر کان نہ ہوتے		آصف وقار آصف
۳۶	جانوروں کی زبان		سلمیٰ سلیم
۳۸	حیرت انگیز جوہڑ		اخگر انوار اعوان
۴۲	حوصلے کو مات نہیں		طاھر مسعود
۴۷	محنت کی عظمت	(نظم)	امان اللہ نیّر شوکت
۴۸	چاندی نگر میں سونا		شاہنواز فاروقی
۵۶	بلّی		مس فرحین

حسنِ ترتیب

شین فاروقی	فطرت کی دُنیا	۶۱
منیر احمد راشد	واپسی	۶۵
ساجد سعید	کنگ فو سیکھئے	۷۴
عنایت علی خان (نظم)	موٹر سائیکل	۸۲
سیّد طارق محمود	جہانِ نو	۸۳
نائلہ صدیقی	تیسرا کمرہ	۸۷
عبید اللہ کہیر	مُنّے کی ڈائری	۹۱
کاشان جعفری	ٹھگوں کا ٹھگ	۹۷
قارئین	ڈنڈا ڈولی	۱۰۳
نائلہ صدیقی	ایک دن کی چاندنی	۱۰۷
بشریٰ اشفاق	چوہے کی کارستانی	۱۱۳
ابنِ شہباز خان	تندرستی ہزار نعمت ہے	۱۱۷
قارئین	کم سن قلم کار	۱۳۵
ہما سلیم	امّی ابّو کا صفحہ	۱۳۸
ادارہ	کارٹون اور لطیفے	۰:۰

تاریخ کے دریچے سے

ایک شخص نے حاتم طائی سے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنے سے بھی بڑا کوئی سخی دیکھا ہے۔ حاتم طائی نے کہا۔ "ہاں۔ میں نے ایک لکڑہارا دیکھا، وہ مجھ سے بھی زیادہ سخی تھا۔"

سننے والے حیران ہوئے۔ لکڑہارا؟ اور حاتم طائی سے بھی زیادہ غنی؟

حاتم طائی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"ایک مرتبہ میں نے چالیس اونٹ ذبح کرائے۔ شاندار کھانے اور پلاؤ پکوایا۔ میری طرف سے دعوت تھی۔ کھانے میں کوئی کمی نہ تھی اور نہ کھانا کم پڑ سکتا تھا۔ جو آتا پیٹ بھر کر کھاتا۔ اسی دن کا ذکر ہے، میں قریبی جنگل سے گزرا تو دیکھا کہ ایک لکڑہارا خشک لکڑیاں اکٹھی کر رہا ہے میں نے اس سے کہا کہ آج کے دن تجھے اتنی مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ حاتم کے گھر جاو وہاں تجھے بہترین کھانا ملے گا۔ لکڑہارے نے یہ سن کر میری طرف دیکھا اور اپنے سادہ لہجے میں صرف اتنا کہا۔

"جو شخص اپنی محنت سے اپنا رزق حاصل کر سکتا ہے کہ وہ حاتم طائی کا احسان کیوں اٹھائے۔"

یہ واقعہ سنا کر حاتم طائی نے سننے والوں سے پوچھا۔

"کیا وہ لکڑہارا حاتم طائی سے بھی زیادہ غنی اور عالی ظرف نہیں تھا؟"

پہلی بات

امریکہ نیا نیا آزاد ہوا تھا۔ ایک امریکی اس آزادی کی خوشی میں اپنی چھڑی گھماتا سیٹی بجاتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اسے اس بات کی بالکل پروا نہیں تھی کہ اس کی گھومتی ہوئی چھڑی کسی کو زخمی بھی کر سکتی ہے۔ اور یہی ہوا ..... چھڑی ایک راہ گیر کی ناک سے جا ٹکرائی۔ راہ گیر نے بلبلا کر پوچھا: "یہ تم کیا کر رہے ہو؟" امریکی نے جواب دیا: "میں چھڑی گھما رہا ہوں کیوں کہ اب ہم آزاد ہو گئے ہیں۔" راہ گیر نے کہا: "یہ ٹھیک ہے کہ تم آزاد ہو گئے ہو لیکن تمہاری آزادی وہاں ختم ہو جاتی ہے جہاں سے میری ناک شروع ہوتی ہے۔"

یہ واقعہ بہت پرانا ہے اور بہت بار دہرایا جا چکا ہے لیکن اس واقعے میں جو سبق پوشیدہ ہے وہ آج بھی نیا ہے اور یاد رکھے جانے کے قابل ہے۔ اور وہ سبق یہ ہے کہ آزادی اسی وقت مفید ہوتی ہے جب اسے ذمہ داری سے استعمال کیا جائے۔ اور یہ بڑی نقصان دہ ہے جب یہ بے لگام ہو جائے۔ مثال کے طور پر ہم اس بات میں آزاد ہیں کہ اپنے محلے میں گندگی کے ڈھیر لگا کر رکھیں یا اسے صاف ستھرا رکھیں۔ دیواروں کو پوسٹر اور نعروں سے بدنما بنا دیں یا ان کی سفیدی کو خراب نہ ہونے دیں۔ سرکاری املاک مثلاً بسیں، عمارتیں، عمارتوں کے اندر لگے ہوئے لفٹ اور دیگر چیزوں کی حفاظت کریں اور انہیں اپنا ہی سمجھیں یا انہیں اسی طرح برباد کرنے کی کوششوں میں لگے رہیں جیسے یہ دشمن کی ملکیت ہوں۔ اپنے سیاسی مطالبات کے لئے تعلیمی اداروں کی تعلیم میں رکاوٹ ڈالیں انہیں غیر معینہ مدت تک کے لئے بند کرا دیں یا تعلیم کو ہر قیمت پر جاری رکھیں۔ اپنے سیاسی جھگڑوں سے محلوں، اسکولوں اور کالجوں کی فضا کو پراگندہ رکھیں، آپس میں جھگڑتے رہیں یا اپنے اختلافات کو بھائی چارے کے ماحول میں ختم کر دیں اور ہمیشہ مثبت انداز میں سوچنے کی عادت ڈالیں۔ محنت سے پڑھ کر امتحانات میں شریک ہوں یا سارا سال ضائع کر کے ناجائز طریقے سے امتحانات میں کامیاب ہونے کی کوشش کریں۔ ساری توجہ ظاہری ٹیپ ٹاپ کو بہتر بنانے میں صرف کریں یا اپنے کردار اور عمل کو بھی ایک اچھا نمونہ بنانے کے جتن کریں۔ حقیقتاً یہی دو راستے ہیں یہی دو طریقے ہیں جن کو اختیار کرنے میں ہم سب آزاد ہیں۔ لیکن پہلا طریقہ ان لوگوں کا ہے جو اپنی اور دوسروں کی آزادی کا احترام کرتے ہیں اور اس کے استعمال سے بھی واقف ہوتے ہیں اور دوسرا طریقہ ان کا جن کے ہاتھ میں آزادی ایک خطرناک ہتھیار بن جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بندر کے ہاتھ میں استرا آ جائے تو سب سے پہلے وہ اپنی گردن کاٹتا ہے۔ ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ ہمارے عمل میں اور اس بندر کے عمل میں کتنا فرق ہے؟

آپ کا دوست
ظفر محمود شیخ

باادب باملاحظہ ہوشیار

آنکھ مچولی کا حیرت ناک نمبر آرہا ہے

اس نمبر کی چند حیرت بکھیرنے والی پھلجڑیاں

○ ...... وہ کہانیاں جنہیں پڑھ کر آپ مارے حیرت کے پلکیں جھپکنا بھول جائیں۔

○ ...... ایسے واقعات جن کو پڑھ کر آپ کے منہ حیرت سے انگریزی حرف ○ کی طرح ہو جائیں۔

○ ...... ایسی تصاویر جن پر آپ کے لئے یقین کرنا مشکل ہو جائے۔

○ ...... علامہ حیرت کے حیرت ناک انکشافات......

○ ...... حیرت کے سمندر میں ڈوبتے ابھرتے قصے اور حیرت کی کشتی میں سوار حیران کن "تحفہ"

○ ...... اس کے علاوہ وہ سب کچھ جو آپ کو حیرت میں ڈال دے

آپ بھی اس نمبر کے لئے جلد کچھ لکھ کر بھیجئے۔

آنکھ مچولی کا "حیرت ناک نمبر۔"
آپ پڑھیں گے جیسے جیسے
آپ کہیں گے کیسے کیسے؟

کامیاب زندگی کا راز

ترجمہ: محمود شاہد

علامہ جلال دین سیوطی کی تصنیف ..... "محمد عربی کی روشن باتیں"

ایک مرتبہ جناب رسالت مآب ؐ کی خدمت مبارک میں ایک سائل (شخص) حاضر ہوا۔ اس وقت آپ ؐ حمد و ثنا میں مصروف تھے۔ جب فارغ ہوئے تو ایک شخص کو اپنا انتظار کرتے ہوئے پایا۔

(پھر آنحضرت ؐ اور اس شخص کے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی)

سائل ..... اے محمد ؐ آپ پر اللہ کی سلامتی ہو۔

آنحضرت ؐ ..... اے اللہ کے بندے! تم پر بھی اللہ کی سلامتی ہو۔ (وقفے سے) کیا چاہتے ہو؟

سائل ..... اے اللہ کے برحق نبی ؐ! میں دنیا اور آخرت میں سرخرو ہونا چاہتا ہوں..... اس سلسلہ میں آپ ؐ کے نیک مشورے لینا چاہتا ہوں..... کیونکہ آپ ؐ ہی دنیا کے کامل اور عظیم انسان ہیں۔

(ذرا توقف کے بعد)

کیا آپ ؐ کی اجازت ہے؟

آنحضرت ؐ ..... (نہایت نرمی سے) انشاء اللہ!

سائل ..... جناب ؐ! میری خواہش ہے کہ ایک بڑا عالم بن جاؤں۔

آنحضرت ؐ ..... تو اللہ سے ڈرتا رہ، بس بڑا

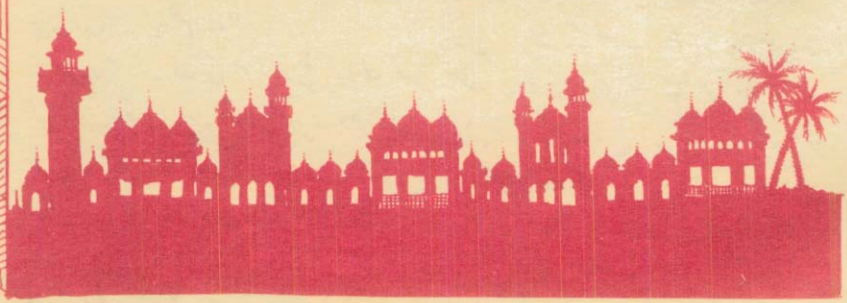

عالم بن جائے گا۔ یعنی اللہ کا خوف اور اس کے حکموں پر عمل۔ اس سے علم و حکمت کے خزانے اللہ تمہیں خود ہی فراہم کر دیں گے۔

سائل ..... میں چاہتا ہوں کہ دولت مند بن جاؤں۔

آنحضرتؐ ..... تو قناعت اختیار کر، مالدار ہو جائے گا۔

سائل..... میری خواہش ہے کہ سب سے بہتر شخص بن جاؤں۔

آنحضرتؐ ..... تو سنو! سب سے بہتر اور اعلیٰ وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔

سائل..... میں سب سے "عادل" بننا چاہتا ہوں تاکہ دنیا میں مجھ جیسا کوئی "عادل" نہ ہو۔

آنحضرتؐ ..... اگر تو سب کے لئے وہی پسند کرے گا جو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو سب سے زیادہ منصف اور عادل شخص بن جائے گا۔

سائل..... میں اللہ کے دربار عظیم میں "مقرب" (اللہ کے قریب) بننا چاہتا ہوں۔

آنحضرتؐ ..... صدق دل سے ذکر الٰہی میں مصروف رہ تو تیری خواہش پوری ہو جائے گی۔

سائل..... میں محسنوں اور نیکو کاروں میں سے ہونا چاہتا ہوں..... کیا حکم ہے؟

آنحضرتؐ ..... اللہ کی اس طرح عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو (اس طرح کہ جیسے) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

سائل ..... میں چاہتا ہوں کہ میرا ایمان مکمل ہو جائے۔

آنحضرت ..... اپنے اخلاق درست کر لے۔ تیرا ایمان مکمل ہو جائے گا۔

سائل ..... میں اطاعت گزاروں میں سے بننا چاہتا ہوں۔

آنحضرتؐ ..... اپنے فرائض ادا کرتا رہ، مطیع افراد میں تیرا شمار ہو گا۔

سائل ..... میں اللہ کے سامنے اس حال میں حاضر ہوں کہ تمام گناہوں سے پاک ہوں!

آنحضرتؐ ..... تو جنابت سے غسل کیا کر، اس کی برکت سے روز جزا گناہوں سے پاک اٹھے گا۔

سائل ..... میری خواہش ہے کہ حشر کے دن نور کے ساتھ اٹھایا جاؤں۔

آنحضرتؐ ..... تو کسی پر ظلم نہ کر، یہاں تک کہ جانوروں پر بھی ہاتھ نہ اٹھا، قیامت کے دن نور میں اٹھے گا۔

سائل ..... میں بزرگ بننا چاہتا ہوں..... کیا کروں؟

آنحضرتؐ ..... مصیبت کے وقت لوگوں سے اللہ کی شکایت نہ کر، بزرگ ہو جائے گا۔

سائل ..... اللہ کے غضب سے بچنا چاہتا ہوں۔

آنحضرتؐ ..... کسی پر بے جا غصہ نہ کر، کیونکہ غصہ حرام ہے..... اس سے اللہ کے غضب سے محفوظ رہے گا۔

سائل ..... میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرے عیب

چھپالے۔

آنحضرتؐ ..... تو اپنے بھائیوں کے عیب چھپا۔ اللہ تیرے عیب کی پردہ پوشی کرے گا۔

سائل ..... میں چاہتا ہوں کہ میرے گناہ کم ہوں۔

آنحضرتؐ ..... تو استغفار کثرت سے کر، تیرے گناہ کم ہو جائیں گے۔

سائل ..... میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھ پر رحم فرمائے۔

آنحضرتؐ ..... تو اپنی جان اور خلق خدا پر رحم کر، اللہ تجھ پر رحم کرے گا۔

سائل ..... رزق میں برکت کیسے پیدا ہوتی ہے؟

آنحضرتؐ ..... باطہارت رہنے سے رزق میں برکت پیدا ہوتی ہے۔

سائل ..... میں اللہ کے دربار میں "مستجاب الدعوات" بننا چاہتا ہوں۔

آنحضرتؐ ..... حرام چیزوں اور حرام باتوں سے بچ، پھر تیری یہ خواہش پوری ہو جائے گی۔

سائل ..... اللہ اور رسولؐ کا دوست بننے کے لئے کیا طریقہ اختیار کروں؟

آنحضرتؐ ..... جو چیزیں اللہ اور رسولؐ کو پسند ہیں، ان کو پسند کر اور جن چیزوں سے اللہ و رسولؐ کو نفرت ہے، ان سے نفرت کر۔

سائل ..... میری غلطیاں کیسے معاف ہوں گی؟

آنحضرتؐ ..... خوف خدا سے رونے، خدا سے عاجزی کرنے اور بیماریوں سے۔

سائل ..... کونسی نیکی اللہ کے نزدیک افضل ہے۔

آنحضرتؐ ..... اچھے اخلاق، انکساری، مصیبتوں پر صبر اور اللہ کے فیصلوں پر خوشی کا اظہار۔

سائل ..... اللہ کے نزدیک سب سے بڑی برائی کیا ہے؟

آنحضرتؐ ..... بدترین اخلاق اور کنجوسی۔

سائل ..... کونسا عمل اللہ کے غضب کو روکتا ہے؟

آنحضرتؐ ..... پوشیدہ طور سے صدقہ دینا، قرابت داروں کا حق ادا کرنا، ان سے اچھے سلوک اور احسان سے پیش آنا۔

سائل ..... اے محمدؐ! میرا آخری سوال یہ ہے کہ کونسی چیز جہنم کی آگ کو بجھائے گی؟

آنحضرتؐ ..... نماز اور روزہ۔

سائل ..... الحمد اللہ! (اٹھتے ہوئے) آپؐ پر اللہ کی سلامتی، رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

آنحضرتؐ ..... (چہرے مبارک پر مسکراہٹ سجاکر) تم پر بھی اللہ کی سلامتی، اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔

خوش ہو جائے وہ شخص جس نے میری حدیث کو یاد کیا اور پھر اس کی اشاعت کی۔

مرسلہ ..... عامر، راولپنڈی

ڈیئر ایڈیٹر

نور الصباح سعید، کوئٹہ:۔ ڈیئر انکل! آج میں بتاؤں آپ کو اک بات۔ یہ ہے کہ اک ایسا رسالہ نہیں گنی جاسکتی خصوصیات۔ تحفے ہیں لاجواب اس کے سرورق بے مثال خدا کرے اس کے دشمنوں کا ہو جائے وصال۔ اب خدا حافظ جارہی ہوں میں دکن۔ کیونکہ آپ سمجھ رہے ہیں لگا رہی ہوں مکھن۔

○ ..... بی بی! آپ نے رسالے کی تعریف میں شاعری کی ٹانگ توڑ دی۔ اور پھر ہم تو اپنے دشمنوں کو بھی بد دعا نہیں دیتے بہرحال آپ کی کوشش دلچسپ ہے۔

ایم ایچ صابر، مردان:۔ آپ نے رسالے کے سرورق پر لکھا تھا "تحفہ مفت حاصل کریں" کیا تحفہ مفت نہیں دیا جاتا یا تحفے کی کوئی قیمت ہوتی ہے۔

○ ..... بات تو آپ کی صحیح ہے لیکن بھئی یہ لکھنا اس لئے ضروری ہوتا ہے تاکہ دکاندار آپ سے اس تحفے کی الگ سے قیمت وصول نہ کرے۔

ایاز قادر بلوچ، تربت:۔ ہماری تحریروں کو آپ بے دردی سے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتے ہیں جس سے ہمارا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ آپ صرف اپنے رشتہ داروں کی تحریریں چھاپتے ہیں۔

○ ..... مسئلہ یہ ہے کہ جو تحریریں چھپنے کے قابل نہ ہوں اور انہیں ہم چھاپ دیں تو پڑھنے والوں کا دل ٹوٹ جائے گا۔ اب آپ ہی بتایئے ہم کس کے دل کی حفاظت کریں۔ ویسے رشتہ داروں کو بھی یہی شکایت ہے کہ صرف غیروں کی تحریریں آپ چھاپتے ہیں۔

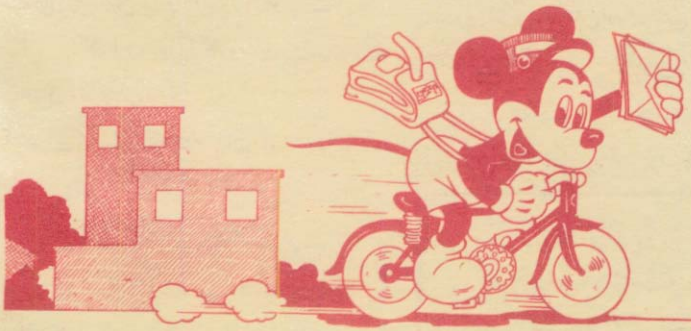

محمد ذیشان بن نذیر، فیصل آباد:۔ آپ اکثر بڑے ادیبوں کی تحریریں چھاپتے ہیں۔ کبھی ہم جیسے غریب اور شہرت کے بھوکوں کی بھی کوئی تحریر چھاپ دیجئے۔

○ ..... شہرت کی بھوک کسے نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی برائی نہیں لیکن بھئی تحریر بھی تو اچھی ہونی چاہئے۔

ندیم مغل، کراچی:۔ آنکھ مچولی میرا پسندیدہ رسالہ ہے لیکن ایک شکایت ہے کہ رسالہ بہت دیر میں ملتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ ویسے انتظار کا بھی ایک مزہ ہے۔

○ ..... بھئی جو چیز انتظار کے بعد ملتی ہے اس کی آدمی کو قدر ہوتی ہے۔ ویسے ہماری کوشش یہی رہتی ہے کہ پرچہ وقت پر آپ کو ملے لیکن پھر بھی دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔

عمارہ، لاہور:۔ ہماری امی نے آپ کو ایک نظم اور ناول کے چند ابواب ارسال کئے تھے۔ نظم تو چھپ گئی لیکن ناول کے بارے میں آپ نے جواب نہیں دیا۔ امی کچھ ناراض ہیں۔ مارچ کے شمارے کے ساتھ "تتلی" نہیں دیا یہ کیا معاملہ ہے۔

○ ..... ناول کے چالیس پچاس صفحات پڑھنے کے لئے تھوڑا سا وقت اور دیجئے۔ اور امی سے کہئے کہ غصہ تھوک دیں۔ ہاکر کے کان کھینچئے کہ "تتلی" اس نے کیوں نہیں دیا۔

وسیم طامی۔ پاک پتن:۔ آنکھ مچولی ملا تو میں بہت خوش ہوا کیونکہ میں نے کہانیاں بھیجی تھیں لیکن جب اپنا نام کہیں نظر نہیں آیا تو آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ پلیز! ہم پر بھی رحم کریں۔

○ ..... آپ کا خط پڑھ کر ہم بھی آبدیدہ ہوگئے۔ بچپن میں ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔ لیکن ہم نے ہمت نہ ہاری اور لکھتے رہے اور لکھتے لکھتے اب ایک پرچے کے مدیر اعزازی ہوگئے ہیں۔

اے منان، خرم بٹ، چاہ میراں:۔ میں تیرہ دن کے لئے جرمنی اور امریکہ گیا تھا۔ کیا میں اس کا سفرنامہ بھیج سکتا ہوں اور ساتھ میں اہم مقامات کی تصاویر بھی۔

○ ..... شوق سے بھیجئے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ سفر میں جتنا لطف آپ کو آیا تھا سفرنامہ پڑھ کر پڑھنے والوں کو اتنا ہی لطف آئے تو بات ہے۔

رانا عاطف، لاہور:۔ میرا ایک لطیفہ آپ نے شائع کر ہی دیا جس سے اندازہ ہوا کہ آپ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ مجھے آنکھ مچولی کے اکتوبر ۸۶ سے پہلے کے شمارے چاہئیں۔ کیا مل سکتے ہیں؟

○ ..... یہ دیر سویر بھی مجبوراً ہوتی ہے۔ چلئے آپ خوش تو ہوئے۔ آپ کو جو رسالے چاہئیں اس کے لئے رقم منی آرڈر کر دیجئے یا ڈاک ٹکٹ بھیج دیجئے۔

سیدہ فرحانہ ظفر جمال، عزیز آباد، کراچی:۔ پچھلا شمارہ اتنا حسین اور دل فریب تھا کہ کس کہانی کا نام لکھوں اور کس کا نہ لکھوں۔ سب ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ انکل! آپ ڈیئر ایڈیٹر کا کوئی اور نام رکھ لیں۔

○ ..... رسالے کی اتنی تعریف نہ کیجئے۔ نظر لگ جائے گی۔ "ڈیئر ایڈیٹر" کا نام جلد ہی تبدیل کر دیا جائے گا۔

انور کلیم بلوچ، شہداد کوٹ:۔ ایک گزارش یہ ہے کہ تحریر کا عنوان تو ہم با آسانی پڑھ لیتے ہیں جب کہ مصنف کا نام پڑھنے کے لئے ہمیں خوردبین سے مدد لینی پڑتی ہے کچھ اس طرف بھی توجہ دیں۔

○ ..... مصنف کا نام اتنا باریک تو نہیں چھپتا۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ عنوان ہی کی طرح مصنف کا نام بھی لکھا جائے۔ اور پھر اس کے بعد آپ یہ تو نہیں کہیں گے کہ مصنف کی تصویر بھی چھاپی جائے۔

فرحین، ناظم آباد، کراچی:۔ بابائے قوم کے بعد راشد منہاس شہید میرے آئیڈیل ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ان کے بارے میں کچھ جانوں۔ کیا آپ ان کے بارے میں کوئی مضمون شائع نہیں کر سکتے۔ اور ہاں میرے مضامین اور کہانیوں کا کیا بنا؟

○ ..... اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے ورنہ آج کل تو لڑکے لڑکیوں کے آئیڈیل کھلاڑی ہوتے ہیں یا فنکار۔ آپ کی فرمائش پوری کی جائے گی۔ تحریریں اچھی ہوئیں تو کچھ نہ کچھ بن جائے گا۔ ذرا انتظار فرما لیں۔

محمد ظفر اقبال، حیدر آباد:۔ کوئی اچھا سا سلسلہ شروع کیجئے مثلاً بچوں کو ایک موضوع دے کر ان سے تحریریں لکھوائیے اور اچھی تحریر کو انعام دیجئے۔

○ ..... یہ تقریری مقابلہ ہم پہلے ہی کرا چکے ہیں۔ کوئی اور زور دار سی تجویز بھیجئے۔

محمد نعیم، مسلم آباد کراچی:۔ فروری کا سرورق دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ ویسے انکل! آپ نے اپنی تصویر اتنی دیر میں کیوں شائع کی۔ آرٹ گیلری کے لئے میں ایک نمونہ بھیج رہا ہوں۔

○ ..... آپ کی تصویر دیکھ کر ہمارا بھی دل خوش ہو گیا۔ لیکن بھئی یہ آپ کی ناک اتنی لمبی کیوں ہے؟

شفیع زہری، خضدار:۔ اطفال نمبر، اب تک میرے ہاتھوں میں ہے اور کئی مہینوں سے اسے پڑھ رہا ہوں امید ہے اس رسالے کو مزید دلچسپ اور معلوماتی بنانے میں آپ کوئی کسر نہ چھوڑیں گے۔

○ ..... کیا آپ "اطفال نمبر" حفظ کر رہے ہیں۔ سچ جانئے ہمیں افسوس ہو رہا ہے کہ ذرا اور محنت کر کے اسے مزید بہتر بنا دیتے ..... چلئے آئندہ شماروں میں سہی۔

محمد آصف عرفان، ملیر کالونی کراچی:۔ میں حیرتناک نمبر کے لئے ایک مضمون بھیجوں گا جس کا عنوان ہو گا "دہشت گرد وزیر اعظم" یہ اسرائیل کے وزیر اعظم کے بارے میں ہو گا۔

○ ..... عنوان سے ہم بہت لطف اندوز ہوئے اور جی چاہا کہ لکھیں "فوراً بھیجئے" لیکن یہ پڑھ کر مایوس ہوئی کہ یہ پہلے ہی کسی ڈائجسٹ میں چھپ چکا ہے۔ لیکن سچ بولنے پر آپ کو شاباش دیتے ہیں۔

محمد اسلم، سکھر:۔ میرے اندر لکھنے کا ٹیلنٹ ہے لیکن یہ اندر ہی اندر گھٹ رہا ہے۔ کیونکہ اسے باہر آنے کا راستہ نہیں مل رہا ہے۔ ہمارے شہر میں لائبریری بھی نہیں ہے۔

○ ..... یہ پرچہ آپ ہی لوگوں کی صلاحیتیں اجاگر کرنے کے لئے نکالا گیا ہے محنت سے مضمون لکھ کر بھیجئے اچھا ہوا تو ضرور چھپے گا۔

کامران حسین، لاہور:۔ آپ مجھے بڑے بڑے لگتے ہیں جو ذرا سی تعریف کر دے ان کے خط آپ شائع کر دیتے ہیں اور جو آپ کی تعریف نہیں کرتے ان کی کہانی اور خط پیٹو ردی میں پھینک دیتے ہیں۔

○ ..... لیکن آپ ہمیں بہت اچھے لگتے ہیں کیونکہ آپ کے دل میں جو ہوتا آپ کہہ دیتے ہیں دیکھئے اگر ہم اتنے ہی بے ایمان ہوتے تو آپ کا یہ خط تو شائع نہ کرتے کیا خیال ہے ؟

محمد قاسم مراد، علی ظہیر عتیق احمد یاسر، ڈنڈوت، ضلع جہلم:۔ آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کو اردو میں محکمۂ حسابِ اشاعت، آل پاکستان چلڈرن میگزین سوسائٹی کو "کل پاکستان انجمن جرائد اطفال" اور گرین گائیڈ اکادمی کو سرسبز اکادمی نہیں لکھا جاسکتا۔ ؟

○ ..... تجویزیں تو آپ کی اچھی ہیں اور ان پر عمل بھی ہونا چاہئے۔ لیکن جن اداروں کے نام انگریزی ہی میں رکھے گئے ہوں ان کا نام ہم کیسے تبدیل کر سکتے ہیں ؟

عثمان عنبر، ضلع دیر:۔ آپ مختلف عنوانات کے تحت کہانیاں چھاپا کریں مثلاً محنت کی کہانی، شجاعت کی کہانی، عظمت کی کہانی وغیرہ۔

○ ..... کہانیوں میں یہ موضوعات تو آ ہی جاتے ہیں۔ اگر ہم پہلے سے وضاحت کر دیں تو کہانی کا تجسس ختم ہو جائے گا اور پڑھنے والے کو زیادہ مزہ نہیں آئے گا۔

رضوانہ شاہ، میانوانی:۔ افسوس کہ میری ہر تحریر کو ردی کی ٹوکری میں آرام کرنے کے لئے بھیج دیا جاتا ہے۔ اب پھر آپ کی خدمت میں کچھ لطائف بھیج رہی ہوں یقیناً آپ مایوس نہیں کریں گے۔

○ ..... بات یہ ہے کہ تحریریں اتنی دور سے چل کر آتی ہیں کہ تھک جاتی ہیں اس لئے انہیں آرام کرنے کی مہلت دے دی جاتی ہے لطیفوں پر ہنسی آئی تو انہیں ضرور چھاپا جائے گا۔ مطمئن رہئے۔

محمد جاوید ہارون، حیدر آباد:۔ حیرتناک نمبر کے ساتھ تحفہ دینے کے لئے میرے پاس ایک تجویز ہے۔ آپ تحفے میں "تتلی" کے سائز کی ایک دلچسپ جادوئی کتاب دیجئے۔ جادو کے یہ دلچسپ اور آسان کھیل میں آپ کو بھجوادوں گا۔ شرط یہ ہے کہ تجویز آپ کو پسند آئے۔

○ ..... بھئی جادو وغیرہ سے ہمیں ڈر لگتا ہے۔ سچ سچ بتائیے کیا آپ جادوگر تو نہیں؟

ایک عالمِ دین کی موت ایک عالَم (دنیا) کی موت ہے۔ مرسلہ عامر، راولپنڈی

اب ہر ہفتے ۱۴ پروازیں

کراچی
فیصل آباد
کراچی

پاکستان انٹرنیشنل نے کراچی اور فیصل آباد کے درمیان جمعرات کو ایک براہ راست اضافی پرواز متعارف کی ہے۔ اس پرواز کے اضافے سے اب پی آئی اے مندرجہ بالا رُوٹ پر صبح کی سات اور شام کی سات پروازوں کی سہولت پیش کرتی ہے۔

رَوزانہ	پیر۔منگل بدھ۔جمعہ	جمعرات۔ہفتہ اتوار	دن	روزانہ	پیر۔منگل بدھ۔جمعہ	جمعرات۔ہفتہ اتوار
343	337	355	پرواز نمبر۔پی کے	342	336	356
737	737	737	طیارہ	737	737	737
FY	FY	FY	درجہ	FY	FY	FY
1430	2130	2359	روانگی ▼ کراچی ▲ آمد	1030	1730	2000
1250	1950	2220	آمد ▼ فیصل آباد ▲ روانگی	1210	1910	2140

مزید تفصیلات کے لئے اپنے ٹریول ایجنٹ یا پی آئی اے کے بکنگ آفس سے رابطہ کریں۔

PIA
پاکستان انٹرنیشنل
باکمال لوگ۔ لاجواب پرواز

PID(ISLAMABAD)

IAL-PIA-1-91

گاؤں کی زندگی

ضیغم حمیدی

گاؤں کی زندگی کیا پُر لطف زندگی ہے
ہر فرد کو یہاں پر حاصل عجب خوشی ہے
قدرت کی نعمتوں سے گاؤں بھرے ہوئے ہیں
ہر سمت سادگی کے ڈیرے پڑے ہوئے ہیں
سر سبز کھیتیاں بھی جلوے دکھا رہی ہیں
پیاری ادائیں ان کی نظروں کو بھا رہی ہیں
وہ گاؤں کے کساں کا اٹھ جانا منہ اندھیرے
کھیتوں کے پھر لگانا بیلوں کے ساتھ پھیرے
کوئی پہاڑیوں پر بنسی بجا رہا ہے
گیتوں کی دھن میں اپنے غم کو بھلا رہا ہے
گاؤں میں رہنے والے عمدہ غذائیں کھائیں
جاں بخش ان کی خاطر ہیں صبح کی شعاعیں
قدرت کے سب اشارے موجود ہیں یہاں پر
ایسے نظارے ضیغم ہونگے کہاں میسّر

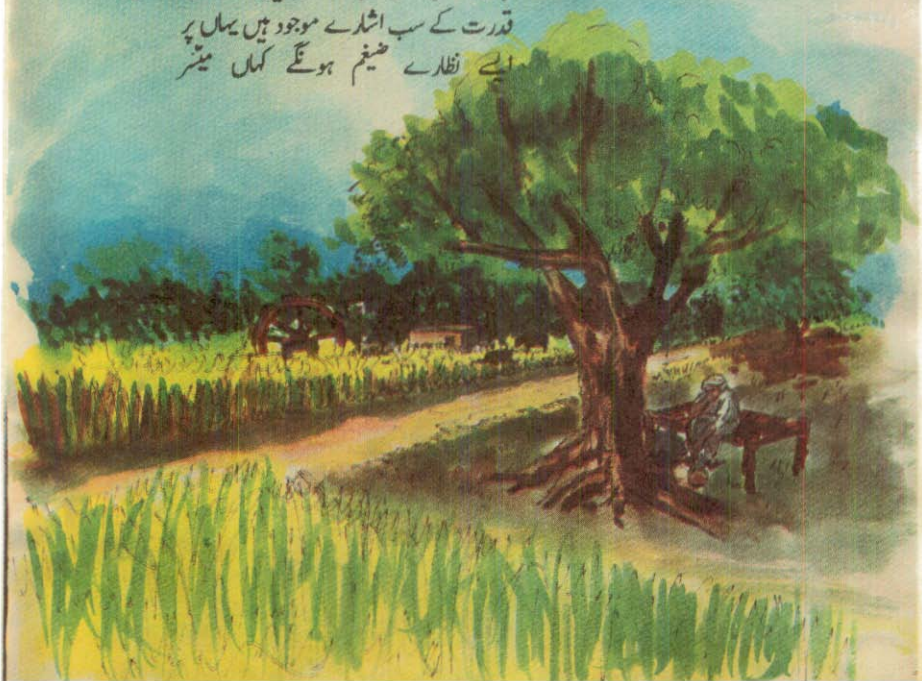

آزادی

قسط نمبر-۲

سلسلے وار تاریخی ناول

بہادری کا انعام

سَیّد نظر زیدی

تینوں دوست، محمد بن قاسم، موز اور سعید، آپس میں باتیں کرتے ہوئے بصرہ شہر سے باہر پہنچے۔ یہاں وہ اپنے ایک اور دوست کا انتظار کرنے لگے جو ان کے واسطے سواری کے گھوڑے لینے گیا ہوا تھا۔ موز اور سعید آئندہ عید کو ہونے والے سالانہ فوجی کرتبوں اور ان میں حصہ لینے کے اپنے ارادوں کے بارے میں ہلکے پھلکے انداز میں باتیں کرتے رہے۔ اس دوران ان کے گھوڑے پہنچ گئے اور وہ لوگ ان پر سوار ہو کر شہر سے ذرا دور دریا کنارے چلے گئے جہاں انہیں تیرنے، نیزہ بازی اور تلوار بازی کی مشق کرنی تھی۔ مشق کے بعد جب وہ واپس لوٹ رہے تھے تو ایک ڈاکو ان سے گھوڑے اور تلواریں چھیننے کی نیت سے وہاں آیا۔ محمد بن قاسم سے مقابلے کے بعد شکست کھا کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ ڈاکو دراصل اسلامی فوج کے ایک بہادر جرنیل بدیل تھے جو دراصل ان نوجوانوں کا امتحان لینے آئے تھے۔

(اب آگے پڑھئے)

دمشق کے باہر ایک کھلے میدان میں ہر سال عید کے دن فوجی کھیلوں کے مقابلوں کا انتظام کیا جاتا تھا۔ امیر المومنین خود بھی یہ مقابلے دیکھتے تھے اور کامیابی حاصل کرنے والے نوجوانوں کو انعام دیتے تھے۔

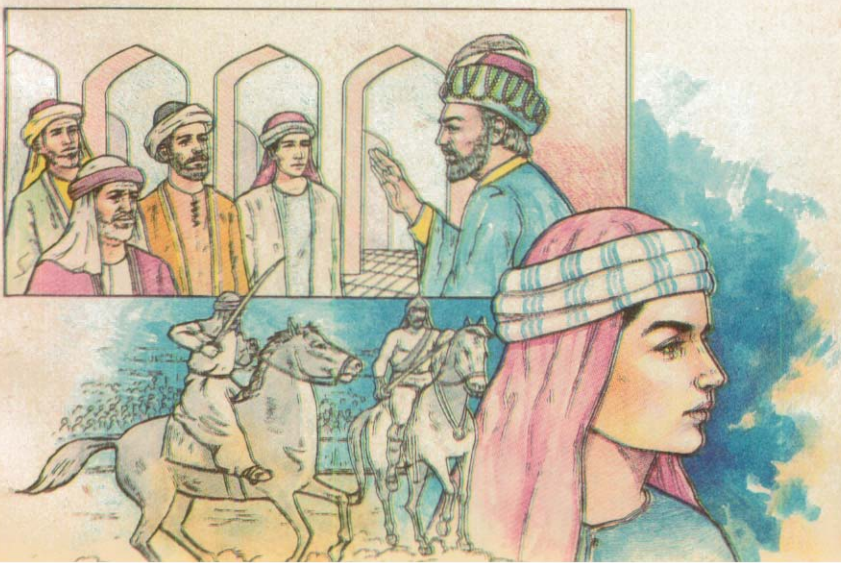

اس سال یہ انتظام اور بھی شاندار طریقے سے کیا گیا ہے۔ کیونکہ حجاز، شام، عراق، فلسطین، ایران اور مصر وغیرہ اسلامی ملکوں کے نوجوانوں کے علاوہ اندلس، ترکستان اور ہندوستان وغیرہ بہت سے نامسلمان ملکوں کے نامی پہلوان اور بہادر سپاہی ان مقابلوں میں حصہ لینے کے لئے دمشق آئے ہیں۔

سجاوٹ کا تو ایسا انتظام نہیں لیکن مقابلوں میں حصہ لینے والوں اور تماشہ دیکھنے والوں کے آرام کے لئے ہر طرح کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس میدان کے مشرقی حصے کی طرف دریائے دجلہ کے کنارے سفید رنگ کا ایک بہت بڑا شامیانہ لگایا گیا ہے۔ اس شامیانے کے درمیان میں ذرا اونچی جگہ امیر المومنین ولید بن عبدالملک کی کرسی بچھی ہوئی ہے۔ آس پاس شہزادوں، شاہی خاندان کے دوسرے لوگوں اور بڑے بڑے عالموں کی کرسیاں ہیں۔ ان کے بعد حکومت کے بڑے بڑے عہدے داروں کی اور پھر کھیلوں میں حصہ لینے والے بیٹھے ہیں۔ میدان کے باقی تین طرف ذرا نیچے اور نیلے رنگ کے شامیانے لگائے گئے ہیں اور ان کے نیچے تماشہ دیکھنے والوں کے لئے کرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔

عید کی نماز ختم ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہی نیزہ بازی، تیر اندازی، تلوار چلانے، تیرنے اور دوسرے فوجی کرتبوں کے مقابلے شروع ہو چکے تھے۔ طریقہ یہ تھا کہ جو لوگ مقابلے میں جیت جاتے تھے ان کا آپس میں مقابلہ کرایا جاتا تھا۔ اس طرح عصر کی نماز کے وقت تک سارے میدان میں کل پندرہ یا بیس بہادر رہ گئے تھے۔

عصر کی نماز پڑھنے کے بعد امیر المومنین اپنی جگہ آکر بیٹھ گئے تو ایک فوجی سردار نے اونچی آواز میں اعلان کیا۔ ''حضرات! اب وہ نوجوان مقابلے کے میدان میں آنے والے ہیں جو بہادری کے سارے کاموں میں باقی حصہ لینے والوں سے جیت چکے ہیں۔''

اس اعلان کے ختم ہوتے ہی ایک نوجوان لمبا نیزہ ہاتھ میں لئے اپنے گھوڑے کو ایک خاص انداز سے دوڑاتا ہوا میدان میں اترا اور پورے میدان کا ایک چکر لگانے کے بعد اپنا نیزہ زمین میں گاڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا مطلب تھا۔ 'جو کوئی مجھ سے مقابلہ کرنا چاہتا ہے میدان میں آجائے'۔

اس نوجوان نے اپنے چہرے کو کالے رنگ کے نقاب سے چھپا رکھا تھا اور اس کا لباس بھی کچھ عجیب ہی طرح کا تھا جس سے کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ عرب ہے یا باہر کے کسی ملک کا رہنے والا۔

اس نوجوان کو دیکھ کر تماشائیوں نے بے حد خوشی ظاہر کی۔ کیونکہ وہ اب تک قریب قریب تمام مقابلوں میں جیت چکا تھا، البتہ امیر المومنین کے پاس بیٹھے ہوئے بعض فوجی سرداروں نے ایک دوسرے کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جن سے خوشی کی جگہ کچھ فکر سا ظاہر ہوتا تھا۔

ایک افسر بولا۔ ''اگر نیزہ بازی کے مقابلے میں بھی کوئی عرب اس نوجوان کو نہ ہرا سکا تو یہ ہم سب کے

لئے حد سے زیادہ شرم کی بات ہوگی۔"

دوسرا افسر:۔ "لیکن معلوم نہیں یہ ہے کون! میں نے بہت کوشش کی مگر نہ اس کا نام معلوم ہوسکا اور نہ یہ پتہ چلا کہ یہ کس جگہ کا رہنے والا ہے۔"

یہ فوجی سردار اس قسم کی باتیں کر رہے تھے کہ دمشق کی فوج کا ایک مشہور افسر طلیحہ اپنا نیزہ سنبھالتا ہوا اس نوجوان کے مقابلے کے لئے نکلا۔ طلیحہ عرب کے ان گنے چنے بہادروں میں سے تھا جنہیں نیزہ بازی میں خاص کمال حاصل تھا، لیکن جب مقابلہ شروع ہوا تو ہر شخص نے محسوس کیا کہ اس نقاب پوش نوجوان کے مقابلے میں اس کی کچھ حیثیت ہی نہیں۔ طلیحہ نے اس نوجوان پر تابڑ توڑ کئی حملے کئے اور اپنے سارے داؤ آزما ڈالے لیکن ذرا بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ نقاب پوش نہایت پھرتی سے اس کے ہر وار سے بچتا رہا۔ اور جب خود حملہ کرنے کے لئے جھپٹا تو طلیحہ بالکل بے بس معلوم ہونے لگا۔

امیر المومنین نے اپنے بھائی سلیمان بن عبدالملک کی طرف دیکھ کر کہا، "کیا طلیحہ کے ہار جانے کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ اب عرب ماؤں کے دودھ میں بہادری کی تاثیر کم ہوگئی ہے؟"

سلیمان:۔ "امیر المومنین! یہ صرف ایک اتفاق ہے کہ یہ نوجوان اب تک تمام مقابلوں میں جیت رہا ہے، اگر مجھے ان کھیلوں میں حصہ لینے کی اجازت ہوتی تو آپ دیکھتے اس کی حیثیت ایک بچے سے زیادہ نہیں۔"

امیر المومنین:۔ "نہیں ہرگز نہیں۔ طلیحہ جیسے مشہور نیزہ باز اور جیالے سپاہی کے یوں بے بس نظر آنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ پردیسی نوجوان واقعی بہت قابل ہے۔"

امیر المومنین ولید بن عبدالملک نے ابھی اپنی بات ختم نہ کی تھی کہ نقاب پوش نوجوان نے ایک خاص داؤ کھیل کر طلیحہ کے ہاتھ سے نیزہ چھین لیا اور سارا میدان خوشی کے نعروں سے گونج اٹھا۔ یہ حالت دیکھ کر سلیمان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کا مطلب سمجھ کر امیر المومنین نے کہا۔ "اگر تم مقابلے کے لئے جانا چاہتے ہو تو ایک عام مسلمان کی حیثیت سے جاسکتے ہو لیکن ہمیں زیادہ خوشی ہوتی اگر کوئی اور شخص اس نوجوان کا مقابلہ کرتا۔"

سلیمان:۔ "لیکن امیر المومنین! اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی میں بھی اس نوجوان کے مقابلے کی ہمت نہیں۔ ملاحظہ فرمائیے وہ کتنی دیر سے میدان میں نیزہ گاڑے کھڑا ہے اور ابھی تک اس کے مقابلے کے لئے کوئی بھی نہیں آیا۔"

"یہ بات سن کر ہمیں بے حد افسوس ہوا۔" یہ کہہ کر امیر المومنین نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور شہزادہ سلیمان بن عبدالملک وہ خاص چوغہ اور عمامہ اتار کر جو شاہی خاندان کے لوگ پہنا کرتے تھے ایک

عام مسلمان کے لباس میں مقابلے کے لئے آیا۔ اگرچہ اس نے اپنے آپ کو چھپانے کے لئے کافی احتیاط کی تھی، شاہی لباس اتارنے کے علاوہ اپنے چہرے کو بھی اچھی طرح چھپالیا تھا لیکن اس کے ڈیل ڈول اور قیمتی گھوڑے کی وجہ سے لوگوں نے پہچان ہی لیا اور اس کا نام لے لے کر خوشی کے نعرے لگانے لگے۔ اب انہیں یقین ہو گیا تھا یہ نقاب پوش نوجوان ضرور ہار جائے گا۔ لیکن جب مقابلہ شروع ہوا تو یہ ہلکی سی امید پھر مایوسی میں بدلنے لگی۔ نقاب پوش نوجوان نے سلیمان کے مقابلے میں بالکل نیا طریقہ اختیار کیا۔ اب تک وہ اپنے مقابلے میں آنے والوں کو حملہ کرنے کا موقع دیتا رہا تھا اور خود ان کے حملے روکنے کی طرف زیادہ دھیان دیتا تھا۔ لیکن اب وہ نہایت پھرتی سے خود حملے کر رہا تھا۔ اس کا پتلا دبلا چست گھوڑا بجلی کی سی تیزی کے ساتھ جھپٹتا تھا اور سلیمان ابھی پہلے حملے سے سنبھلنے بھی نہ پاتا تھا کہ گھوم کر ایک اور حملہ کر دیتا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر امیر المومنین نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک بڑے فوجی افسر سے کہا:۔

"ہمارا خیال ہے سلیمان بھی جیت نہ سکے گا۔ بھاری بھرکم ہونے کی وجہ سے اس کے ہاتھ بے حد سستی سے اٹھ رہے ہیں۔"

فوجی افسر:۔ "لیکن امیر المومنین! شہزادہ سلیمان جس قابلیت اور ہمت سے اس کے حملوں کو روک رہے ہیں اس سے تو امید بھی ہو سکتی کہ شاید وہ جیت ہی جائیں۔"

امیر المومنین:۔ "مشکل ہے۔ اس بہادر نوجوان کے مقابلے میں صرف وہی جیت سکے گا جو بہادر اور قابل ہونے کے ساتھ اس کی طرح پھرتیلا بھی ہو۔ دیکھ رہے ہو وہ کس پھرتی کے ساتھ جھپٹتا اور جھپٹ کر پلٹتا ہے۔"

یہ بات سن کر فوجی افسر اک دم چونک پڑا۔ جیسے اسے کوئی خاص بات یاد آ گئی ہو اور خوشی بھری آواز میں بولا۔ "لیکن میں حیران ہوں وہ اب تک میدان میں کیوں نہیں نکلا!!"

امیر المومنین:۔ "کون.....؟"

فوجی افسر:۔ "محمد..... محمد بن قاسم۔ یا امیر المومنین! میں نے چند دن پہلے بصرے میں اس نوجوان کو دیکھا تھا اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر وہ مقابلے میں نکلے تو یہ نقاب پوش نوجوان اس کے سامنے دو گھڑی نہیں ٹھہر سکتا۔"

امیر المومنین:۔ "لیکن وہ ہے کہاں؟"

فوجی افسر:۔ "یا امیر المومنین! وہ ان مقابلوں میں حصہ لینے کے لئے آیا تو تھا۔ میرا خیال ہے.....!"

ابھی فوجی افسر کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ سارا میدان خوشی کے نعروں سے گونج اٹھا نقاب پوش نوجوان نے شہزادہ سلیمان بن عبدالملک کا نیزہ بھی چھین لیا تھا۔ یہ دیکھ کر امیر المومنین اک دم کھڑے ہو گئے اور جوش بھری آواز میں بولے:۔

"یہ نوجوان کسی قوم اور کسی ملک کا بھی ہو ہم اس کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ واقعی بہادر ہے۔ ایک سچا سپاہی ہے، اسے بلایا جائے ہم اپنے ہاتھ سے انعام دینا چاہتے ہیں اسے!"

نقاب پوش نوجوان اپنے گھوڑے سے اتر کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا امیر المومنین کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اگرچہ اس نے آج کے مقابلوں میں بہت بڑی عزت حاصل کی تھی لیکن اس کی کسی حرکت سے نام کو غرور ظاہر نہ ہوتا تھا۔ امیر المومنین نے اس کی طرف تعریف بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا،

"نوجوان! ہمارا دل تو یہی چاہتا تھا کہ تمہارے مقابلے میں کوئی عرب نوجوان فتح حاصل کرتا۔ کیونکہ نیزہ بازی عربوں کا قومی کھیل ہے، لیکن تمہارا کمال دیکھ کر بھی ہمیں کچھ کم خوشی نہیں ہوئی۔ تم چاہے کسی بھی مذہب اور کسی بھی قوم سے تعلق رکھتے ہو۔ ہم تمہاری تعریف کرتے ہیں اور اپنی خاص تلوار تمہیں انعام کے طور پر دیتے ہیں۔"

امیر المومنین کی یہ بات سن کر نقاب پوش نوجوان نے اپنے چہرے کا نقاب الٹ دیا اور اطمینان بھری آواز میں بولا،

نقاب پوش:۔ "اور حضرت امیر المومنین یہ جان کر اور بھی خوش ہونگے کہ اس مقابلے میں ایک عرب ماں کے بیٹے نے ہی فتح حاصل کی ہے۔"

"محمد بن قاسم.....! یہ تم ہو محمد بن قاسم!!" امیر المومنین کے پاس کھڑا ہوا فوجی سردار جوش بھری آواز میں چلایا اور اس کے منہ سے نکلی ہوئی یہ بات بجلی کی سی تیزی کے ساتھ سارے میدان میں گونج گئی۔ ہر شخص کی زبان پر یہی بات تھی، "محمد بن قاسم! ارے یہ محمد بن قاسم ہے!!"

امیر المومنین کچھ دیر تک چپ چاپ کھڑے اس کم عمر بہادر کے چہرے کو دیکھتے رہے اور پھر محبت بھری آواز میں بولے۔ "محمد! کھیل ختم ہونے کے بعد ہم تم سے کچھ باتیں کہنا چاہتے ہیں۔ اگر مناسب معلوم ہو تو آج شام کا کھانا ہمارے ساتھ کھالینا۔"

"میرے لئے اس سے بڑھ کر عزت کی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔" محمد بن قاسم نے سادگی سے جواب دیا۔ اور اس کے بعد امیر المومنین کو سلام کر کے اپنی جگہ بیٹھنے کے لئے جانے لگا۔ امیر المومنین نے اشارے سے روک کر اسے اپنے پاس ہی بچھی ہوئی ایک کرسی پر بٹھالیا۔

○○○○○○

قصرِ خلافت، یعنی امیر المومنین کے محل میں آج خاص طور پر چہل پہل ہے، عید کی دعوت میں شریک ہونے کے لئے اسلامی سلطنت کے تمام صوبوں کے والی آئے ہوئے ہیں اور شہر کے خاص خاص

آدمی بھی جمع ہیں۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد عراق کا والی حجاج بن یوسف، محمد بن قاسم، بدیل بن طہفہ اور دوسرے بڑے بڑے فوجی سردار اور حکومت کے عہدے دار امیرالمومنین کے خاص کمرے میں بیٹھے ہوئے ہیں اور محمد بن قاسم کے بارے میں ہی باتیں ہو رہی ہیں۔ بدیل بن طہفہ نے کہا۔

"لیکن برخوردار! یہ تو بتاؤ۔ یہ عجیب سا لباس پہننے اور منہ پر نقاب ڈالنے کی تمہیں کیا سوجھی؟"

محمد بن قاسم:۔ "اصل میں میرا یہ خیال تھا کہ ایک اَن جان آدمی کی حیثیت سے مقابلوں میں حصہ لوں گا تو میرے بارے میں بالکل ٹھیک رائے قائم ہو سکے گی۔"

ایک فوجی افسر:۔ "تمہارا مطلب ہے، اگر حجاج بن یوسف کے بھتیجے محمد بن قاسم کی حیثیت سے مقابلہ کرتے تو تمہارے ساتھ کسی قسم کی رعایت برتی جاتی؟"

محمد بن قاسم:۔ "یہ شبہ تو کیا جا سکتا تھا۔"

یہ بات سن کر حجاج بن یوسف نے تعریف بھری نظروں سے محمد بن قاسم کی طرف دیکھا اور کچھ دیر ٹھہر کر بولا۔ "میں آج اس بات پر فخر کرتا ہوں کہ تم جیسے نیک اور بہادر نوجوان کا چچا کہلاتا ہوں۔ واقعی تمہاری یہ احتیاط بہت ٹھیک تھی۔"

بدیل:۔ "(مسکراتے ہوئے) میں سمجھتا ہوں یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا۔" یہ کہہ کر بدیل بن طہفہ نے محمد بن قاسم اور اس کے ساتھیوں سے اپنے مقابلے کا سارا حال سنایا اور یہ سارا واقعہ سن کر امیر المومنین سمیت کمرے میں بیٹھا ہوا ہر شخص محمد بن قاسم کی تعریف کرنے لگا۔ امیرالمومنین بولے،

"محمد! یہ بات سن کر ہمارے دل میں تمہاری عزت اور بھی بڑھ گئی۔ تم واقعی ایک سچے بہادر ہو۔"

محمد بن قاسم:۔ "یہ امیرالمومنین کا احسان ہے کہ تعریف فرماتے ہیں، ورنہ میں خود اپنے آپ کو کسی قابل نہیں سمجھتا۔"

امیرالمومنین:۔ یہ بھی تمہاری اچھائی کا ثبوت ہے۔ (حجاج بن یوسف کی طرف دیکھ کر) کیوں حجاج! اگر ہم تمہارے بھتیجے کے سپرد کوئی کام کر دیں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہ ہو گا؟"

حجاج:۔ "میری اور میرے بھتیجے کی اس سے بڑھ کر کیا عزت ہو سکتی ہے کہ امیرالمومنین اسے کسی خدمت کے قابل خیال فرمائیں۔"

امیرالمومنین:۔ "اچھا تو ہم اس کو فارس کا والی مقرر کرتے ہیں۔"

امیر المومنین کی یہ بات سن کر کمرے میں بیٹھا ہوا ہر شخص حیران رہ گیا، کیونکہ محمد بن قاسم کی عمر اس وقت سولہ سال سے کچھ ہی زیادہ تھی۔ حجاج بن یوسف بولا۔

حجاج:۔ "میرے بھتیجے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی انعام نہیں ہو سکتا جو امیر المومنین نے عطا فرمایا، لیکن میں نہایت ادب کے ساتھ گزارش کروں گا کہ اس کی عمر ابھی بہت کم ہے، شاید اتنی بڑی ذمہ داری ٹھیک طور نہ اٹھا سکے۔"

امیر المومنین:۔ "اور ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ہمارا دوست حجاج بن یوسف یہ بات اس لئے کہہ رہا ہے کہ اس پر اپنے بھتیجے کی سفارش کرنے یا اس کا بھتیجا ہونے کی وجہ سے یہ عزت دینے کا شبہ نہ کیا جائے۔ ورنہ ہماری طرح اسے بھی یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہ بہادر اور عقلمند نوجوان مشکل سے مشکل کام کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔"

بدیل:۔ "امیر المومنین بالکل درست فرماتے ہیں، چاہے اس نوجوان کی عمر کتنی بھی کم ہے لیکن قابلیت اور بہادری میں آج اس کا مقابلہ بہت کم لوگ کر سکتے ہیں۔"

امیر المومنین:۔ "اور فارس کے لئے ہمیں ایک ایسے ہی والی کی تلاش تھی، آپ سب لوگوں کو معلوم ہے، اسلامی سلطنت کے لئے یہ زمانہ جس قدر شاندار ہے اتنا ہی نازک بھی ہے۔ ہماری فوجیں ایک طرف قتیبہ بن مسلم باہلی کی سرداری میں ترکستان اور روس کی طرف بڑھ رہی ہیں اور دوسری طرف طارق بن زیاد یورپ کے ملک اندلس میں داخل ہو چکا ہے، ایسے نازک وقت میں فارس کے اندر کسی ایسے حاکم کا ہونا حد سے زیادہ ضروری ہے جو بہادر بھی ہو، عقلمند بھی ہو، نیک بھی ہو، اور محمد بن قاسم کی ذات میں ہمیں یہ ساری خوبیاں نظر آ رہی ہیں۔ امید ہے یہ بہادر نوجوان سندھ کے راجہ کی اس شرارت کو ناکام بنا دے گا جو وہ ایران کے باشندوں کو اپنے ساتھ ملا کر ہمارے خلاف کرنا چاہتا ہے۔"

ایک فوجی افسر:۔ "یا امیر المومنین! اب یہ بات کسی سے چھپی ہوئی نہیں کہ سندھ کے راجہ کا دل ہماری طرف سے صاف نہیں، اگرچہ ہماری طرف سے بار بار دوستی کا یقین دلایا جا رہا ہے، لیکن وہ شرارتوں سے باز نہیں آتا، یہ راجہ مکران کے علاقے میں ہمارے دشمنوں کو روپیہ اور ہتھیار بانٹ کر کئی بار بغاوت کرا چکا ہے اور اس کی کوشش ہے کہ ایرانیوں کو اپنے ساتھ ملا کر خاص عرب پر حملہ کر دے۔"

ایک اور سردار:۔ "میں نے سنا ہے عادتوں کے لحاظ سے بھی یہ راجہ بہت برا ہے، غریب رعایا کے جان مال کی ذرا پروا نہیں کرتا، جس کا چاہے گھر بار لوٹ لیتا ہے اور جسے چاہے جان سے مار دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی ایک برائی یہ سنی گئی ہے کہ اس نے اپنی سگی بہن 'مائی' سے شادی کر لی ہے۔"

امیر المومنین:۔ "ہاں یہی کہا جاتا ہے، اور اس لئے بھی یہ بات ضروری ہے کہ اس کا زور توڑا

جائے۔"

بدیل:۔ "یا امیر المومنین! کیا ایسے حالات میں یہ ضروری نہیں کہ اس بُرے راجہ کو ڈھیل دیتے رہنے کی جگہ اس کا مزاج درست کرنے کے لئے اسلامی فوج روانہ کر دی جائے؟ اب سے پہلے خلیفہ دوئم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب ہمارے مجاہد ایران میں لڑ رہے تھے سندھ کے راجہ نے ایرانیوں کی مدد کے لئے اپنی فوج بھیجی تھی اور اب مکران میں ہمارے دشمنوں کی مدد کر رہا ہے۔"

امیر المومنین:۔ "نہیں یہ بات ٹھیک نہیں، اگر سندھ کا موجودہ راجہ داہر اپنی اُن حرکتوں سے باز نہ آیا اور اس نے کوئی بڑی شرارت کی تو ہم ضرور حملہ کریں گے لیکن ابھی اس کی ضرورت نہیں۔"

امیر المومنین نے یہ بات ایسے انداز سے کہی کہ بس اب اس سلسلے میں کچھ اور کہنے کی گنجائش نہیں۔ اس کے بعد وہ محمد بن قاسم کی طرف دیکھ کر بولے۔ "اچھا تو محمد! اب تم بتاؤ اپنا نیا عہدہ سنبھالنے کے لئے کب روانہ ہو رہے ہو؟"

محمد بن قاسم:۔ "جب امیر المومنین حکم دیں، اس بارے میں مجھے صرف اپنی محترم والدہ صاحبہ سے اور مشورہ کرنا ہو گا۔"

امیر المومنین:۔ "ضرور ضرور۔ تم اپنی والدہ صاحبہ سے ضرور مشورہ کرو۔ ویسے ہمیں یقین ہے جس خاتون کی پاک گود نے تمہیں ایسی ہمت اور نیکی بخشی ہے وہ اسلامی سلطنت کی خدمت کرنے سے تمہیں نہ روکیں گی۔" اتنا کہہ کر امیر المومنین ان مسلمان فوجوں کے بارے میں باتیں کرنے لگے جو اندلس اور ترکستان کے علاقے میں لڑ رہی تھیں اور محمد بن قاسم جا کر سوچ میں ڈوب گیا۔

مقصدِ جنگ

نپولین بوناپاٹ کو جب پکڑ کر انگریز جرنیل کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو انگریز جرنیل نے کہا کہ

"تم وہ بے غیرت قوم ہو۔ جو دولت کی خاطر لڑتی ہو۔ ہمیں دیکھو ہم صرف عزت کی خاطر لڑتے ہیں"

تو نپولین نے برجستہ جواب دیا کہ "واقعی جسے جس کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسی کے لئے لڑتا ہے۔"

مرسلہ: عاصم۔ لیہ

وطنِ پاک

عنبر چغتائی

یہ پاک وطن آباد رہے! آباد رہے! دل شاد رہے!!
دل شاد رہے! آزاد رہے!!
آزاد رہے یہ پاک وطن!!!

خوش رنگ رہے خوش آب رہے!! خوش حال رہے شاداب رہے!
شاداب رہے! سیراب رہے!!
آزاد رہے یہ پاک وطن!

اسلام رہے! ایمان رہے!! دنیا میں ہماری شان رہے!!
یہ آن اور پاکستان رہے!!
آزاد رہے یہ پاک وطن!!

یہ دارالا من ہے مثلِ حرم، ملت کا ہے قائم اس سے بھرم،
اس ملک کے خود معمار ہیں ہم!
آزاد رہے یہ پاک وطن!!

اُونچی کوٹھی کے اندھیرے

عظمیٰ تسنیم

اس کے سامنے شیراز ولا کی پُر شکوہ عمارت کھڑی تھی۔ آنکھوں میں خوشی کی چمک لئے اس نے کال بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ بے انتہا خوشی تھی کیونکہ آج اسے اپنی دل پسند ہستی کا انٹرویو جو لینا تھا۔ مسز شیراز حسنی اس کی آئیڈیل شخصیت تھیں۔ مسز شیراز نے بچوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہزار ہا خدمات انجام دی تھیں اور ان کی زیر نگرانی ایک ادارہ بھی اس سلسلے میں کام کر رہا تھا۔ خوش گفتار اور ہمدرد مسز شیراز کے لئے عافیہ کے دل میں عزت و محبت کے بیکراں جذبات تھے۔

"جی آپ کو کس سے ملنا ہے" وسیع و عریض گیٹ میں سے چوکیدار کا سر نمودار ہوا۔ "میں مقامی رسالے "فلاح وطن" کے ادارے سے آئی ہوں انٹرویو کے سلسلے میں۔" عافیہ کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اس نے گیٹ کھول کر اندر آنے کا راستہ دیا اور اسے ڈرائینگ روم میں انتظار کرنے کے لئے بٹھا گیا جہاں کی ہر چیز اعلیٰ ذوق کی نمائندگی کر رہی تھی۔ تمام چیزوں کا جائزہ لینے کے بعد انٹرویو کے سوالنامے پر نظر ثانی کرنے کے لئے اپنے ساتھ لائی ہوئی ڈائری پر سرسری سی نگاہ ڈالنے لگی کہ ایک دم اسے شور و غل کی آواز نے کچھ ہراساں کر دیا۔ کچھ لمحے بعد بھی شور نہ تھما تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈرائینگ روم کی کھڑکی سے برآمدے کی طرف نگاہ ڈالی تو اس منظر نے اس پر سکتہ سا طاری کر دیا۔

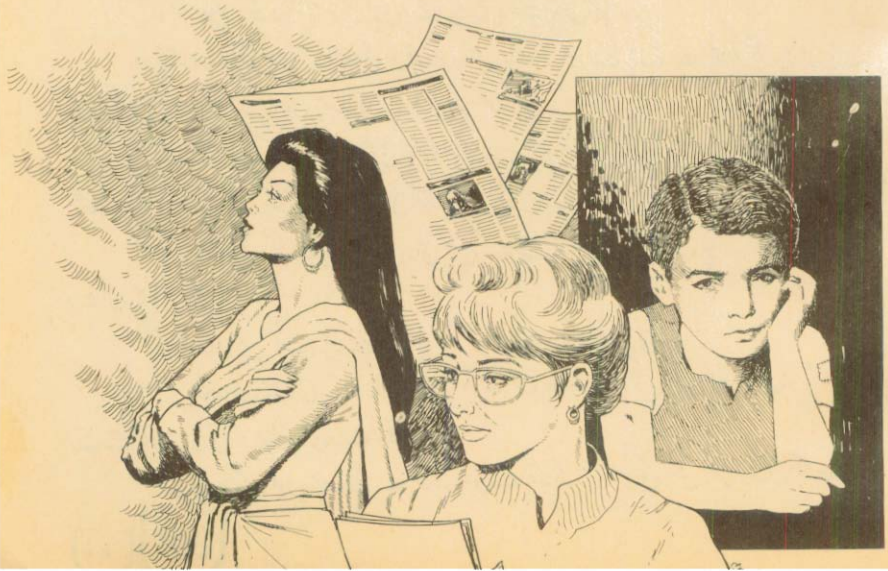

مسز شیراز حسنی کے ہاتھ ایک سات سالہ بچے پر بُری طرح برس رہے تھے اور ساتھ ہی زبان بھی قینچی کی طرح چل رہی تھی:

"میں نے تجھ سے کہا تھا کہ عاصم کا خیال رکھنا پھر وہ کرسی پر سے گرا کیسے ؟"

"وہ ..... وہ بیگم صاحبہ میں چھوٹے صاحب ..... کو پکڑ ہی رہا تھا ..... کہ .....

"چپ، بدذات" ایک اور تھپڑ اس کے گالوں کو سرخ کر گیا۔

عافیہ دل گرفتہ سی دوبارہ صوفے پر جا بیٹھی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ یہ سب کچھ کیا دیکھ رہی ہے۔

"عافیہ ڈیئر! معافی چاہتی ہوں تمہیں انتظار کرنا پڑا" وہ ڈرائینگ روم میں داخل ہوتے ہی ہمیشہ کی طرح اسے پر جوش طریقے سے ملیں اور نہ چاہتے ہوئے عافیہ کو مسکرانا پڑا "کوئی بات نہیں مسز شیراز ہمارا کام ہی یہی ہے۔"

"تو پھر انٹرویو شروع کیا جائے؟" وہ ساڑھی کے فالز درست کرتے ہوئے ادا سے بولیں۔

"جی ..... جی ہاں سب سے پہلے تو آپ یہ بتائیں کہ .....

عافیہ ڈائری، قلم سنبھالے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ وہی بچہ چائے کی ٹرے ہاتھ میں پکڑے ڈرائینگ روم میں داخل ہو گیا۔ آنکھیں سوجی ہوئیں چہرہ ستا ہوا، بال الجھے، کپڑے بوسیدہ عافیہ انٹرویو بھول کر اس کا جائزہ لینے میں لگ گئی۔

"ادھر میز پر رکھ دو" مسز شیرازی کے لہجے میں غصہ پنہاں تھا

وہ سہمے ہوئے قدموں سے میز کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ میز کے پائے سے الجھ کر گر پڑا اور ٹرے میں رکھی چائے کی نازک پیالیاں چھناکے سے فرش پر بکھر گئیں۔

"اندھے کہیں کے۔ تجھ سے کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہوتا کیا، اتنا قیمتی سیٹ خراب کر دیا، یتیم سمجھ کر ترس کھا کر تجھے رکھا اور تو ہمارے ہی نقصان میں لگا رہتا ہے۔"

مسز شیراز مارنے کے لئے ہاتھ اٹھا ہی رہی تھیں کہ عافیہ کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا اور اس نے مضبوطی سے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کیا کر رہی ہیں آپ، بچہ ہے یہ، جان بوجھ کر تو اس نے نہیں توڑا۔"

"نہیں عافیہ ان جیسوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا چاہئے ورنہ تو یہ سر پر بیٹھ جائیں۔" اور اس کے ننھے ہاتھ پیالی کی کرچیاں چن رہے تھے۔

"اب جلدی کرو اور رحیمہ مائی سے کہو وہ خود لے آئے۔" اس کی سہمی نظروں میں آنسوؤں کی

لڑیاں، عافیہ کو اپنے دل پر گرتی محسوس ہوئیں۔

"عافیہ اس احمق نے سارا موڈ خراب کر دیا چلو اب انٹرویو شروع کرو۔" وہ ٹشو پیپر سے اپنے میک اپ کو ٹھیک کرتے ہوئے بولیں۔

"جی شاید اب میں انٹرویو نہ لے سکوں۔" عافیہ نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"کیا مطلب! میں سمجھی نہیں۔" مسز شیراز حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"آپ کو معلوم ہے، اس مرتبہ ہمارا رسالہ بچوں کی فلاح و بہبود کے موضوع پر ہے۔ اور میرے سارے سوال مجبور و بے کس بچوں کے سلسلے میں ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ کسی ایسے انسان سے اس بارے میں انٹرویو لیا جائے جو غریب بچوں کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہو۔" عافیہ کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی طنزیہ ہو گیا۔

"لڑکی تم ہوش میں تو ہو۔ مجھے تمہاری فضول گفتگو پسند نہیں آئی اور تم شاید جانتی ہو کہ ادارہ "فلاح وطن" کی تمام تر مالی ضروریات میں پوری کرتی ہوں۔"

"مسز شیراز حسنی اپنی دولت کا رعب کسی اور کو دیں۔ آپ میری آئیڈیل شخصیت تھیں لیکن اب نہیں۔"

"عافیہ!..... تم میری بہت انسلٹ کر چکی ہو لہٰذا میری طرف سے اجازت ہے کہ شیراز ولا سے اسی وقت جا سکتی ہو۔"

مسز شیراز کی پیشانی سلوٹوں سے بھر گئی تھی۔

☆☆☆

"بیٹی نوکری سے نکال دینے پر تم اداس ہونا؟" بابا جان اسے خاموش بیٹھا دیکھ کر پوچھ بیٹھے۔

"نہیں بابا جان مجھے تو صرف افسوس اس بات پر ہے کہ ایڈیٹر صاحب مسز شیراز حسنی کے دباؤ میں ایسے آئے کہ انہوں نے میری بات ہی نہیں سنی۔"

"عافیہ میں نے کہا تھا نا یہ دنیا دور سے کچھ نظر آتی ہے اور قریب سے کچھ ہوتی ہے۔ چلو چھوڑو نوکری تم نے شوقیہ کی تھی، شوق کا انجام بُرا نہیں اچھا ہی ہوا۔"

"جاوید کہاں ہے بابا" عافیہ کو اچانک اس معصوم کا خیال آیا جسے اب "شیراز ولا" سے نجات مل چکی تھی۔

"میں یہاں ہوں آپی۔" کمرے کے دروازے پر جاوید کھڑا تھا، اور اس کی آنکھوں سے خود اعتمادی جھانک رہی تھی۔ اس کے آسودہ چہرے کو دیکھ کر وہ مسکرا اٹھی، لیک نوکری کے بدلے اتنا پیارا بھائی۔ سودا گھاٹے کا نہ تھا۔

طالبانِ
علم وادب کے لئے
گرین گائیڈ اکیڈمی کی شائع کردہ
نادر اور حسین کتابیں اب انتہائی خصوصی رعایت کے ساتھ دستیاب ہیں۔

اس پیشکش کا آج ہی فائدہ اُٹھائیے

یہ کتب آپ کے علمی خزانے میں گرانقدر اضافہ ہوں گی۔

	موجودہ قیمت مع ڈاک خرچ	بعد از رعایت مع ڈاک خرچ
۱ سب سے بڑا انسان "سیرت طیبہ" پر سید نظر زیدی کی اہم تصنیف صدارتی ایوارڈ یافتہ۔ ڈی لکس ایڈیشن	۴۰ روپے	۲۵ روپے
۲ راہ نما قرآنی حکایات کا دلچسپ مجموعہ	۱۰ روپے	۸ روپے
۳ سفرِ مبارک حجازِ مقدس کا سفرنامہ بھی راہنما بھی	—	صرف ڈاک خرچ ۴ روپے
۴ تعلیم الاسلام ۴ حصوں پر مشتمل۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات	—	صرف ڈاک خرچ ۴ روپے
۵ حق اسکواڈ مہماتی کہانیوں کا سنسنی خیز مجموعہ	۱۰ روپے	۸ روپے
٦ کہنا بڑوں کا مانو تعمیرِ سیرتِ اطفال کے لئے خوبصورت	۴ روپے	۳ روپے

آپ صرف ۵۰ روپے کا منی آرڈر بھجوا کر تمام کتب یکمشت بھی منگوا سکتے ہیں

پتا :- گرین گائیڈ اکیڈمی۔ ۱۱۲۔ ڈی سائیٹ کراچی نمبر ۱٦۔

آصف وقار آصف

اگر کان نہ ہوتے

یہ عنوان آپ کو نیا تو لگے گا لیکن چونکئے نہیں! بلکہ میرے ساتھ ساتھ فکر کے سمندر میں کود پڑیئے اور یہ سوچئے کہ "اگر کان نہ ہوتے" تو کیا ہوتا؟

کان کا بنیادی کام تو یہ ہے کہ آواز کی لہروں کو روک کر ہماری سماعت کا باعث بنیں۔ اکثر یہ سماعت زحمت کا باعث بھی بنتی ہے۔ جیسے کہیں ٹریفک کا بے ہنگم شور ہو، کہیں کوئی بچہ پورے سات سروں میں رونے کی پریکٹس کر رہا ہو یا کہیں خالص تانبے کے برتن ٹن ٹناٹن ٹن کرتے تسلسل سے گرنے لگیں تو بے

اختیار کانوں پر ہاتھ رکھ لیئے جاتے ہیں۔ کانوں پر ہاتھ رکھ کر توبہ بھی مانگی جاتی ہے۔ جیسے تمام طالب علم امتحان کا سنتے ہی کان پکڑ کر توبہ توبہ کرنے لگتے ہیں۔

طالب علموں کے لئے تو کان زحمت ہی زحمت ہوتے ہیں۔ اکثر اساتذہ سزا کے لئے کانوں کو ہی تختہ مشق بناتے ہیں۔ کبھی کان پکڑوا کر مرغا بنوا دیا جاتا ہے۔ اور کبھی ریڈیو کے سوئچ کی طرح کان بچارے اتنی دفعہ مروڑے جاتے ہیں کہ طالب علم بے اختیار پکار اٹھتے ہیں۔ "ہمارے کان نہ ہی ہوتے تو اچھا تھا۔"

سردیوں میں ٹھنڈ کا شکار بھی سب سے زیادہ کان ہی ہوتے ہیں۔ اچھی خاصی سیدھی ہوا کو روک کر کان جسم کو ٹھنڈک پہنچاتے رہتے ہیں۔ لوگ کانوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔

ایک "کان" وہ ہوتی ہے جس میں سے معدنیات نکلتی ہیں جو کہ کسی بھی ملک کی ترقی کے لئے نہایت مفید ہوتی ہیں۔ لیکن اگر "کان" سے سوائے "میل" کے اور کچھ نہ نکلے تو ایسے کانوں سے توبہ ہی بھلی۔

"اگر کان نہ ہوتے" تو ایک مسئلہ یہ بھی ہوتا کہ کمزور بینائی والے لکھ اور پڑھ کیسے سکتے۔ کیونکہ کان نہ ہوتے تو عینک کہاں لگاتے۔ عینک کے لئے ویسے تو "ناک" بھی ضروری ہے لیکن "کان" کے بغیر تو عینک کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ویسے "ناک" اور "کان" آپس میں "بہن بھائی" ہیں۔ ناک کو الٹا کرو تو کان بن جاتا ہے۔ آپ بھی کبھی "ناک" کو الٹا کر کے دیکھئے گا کیا بنتا ہے؟

بعض لوگ "کانوں کے بہت کچے" ہوتے ہیں۔ ہر کسی کی بات پر "کان دھرتے" رہتے ہیں۔ اور کوئی کسی کے خلاف ان کے ذرا سے بھی "کان بھر دے" تو پھر وہ آپے میں نہیں رہتے۔ ویسے بعض لوگ تو کسی کی پروا بھی نہیں کرتے کچھ بھی کہتے رہیئے ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی، بلکہ ایسی ویسی باتوں کو "ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتے ہیں۔" اور اپنے آپ میں مگن رہتے ہیں۔

کچھ بچے ایسے بھی ہوتے ہیں جو کھیلتے ہوئے اتنا شور کرتے ہیں کہ "کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی" بعض بچے تو اتنے "کان کھاتے ہیں" کہ مجبوراً انہیں ڈانٹ کر یا ہلکی سی "چھینٹی" سے چپ کرانا پڑتا ہے۔ بچوں کو چاہئے کہ ہر کھیل نظم و ضبط اور سکون سے کھیلیں۔ بلکہ اس خاموشی سے کھیلیں کہ کسی کو "کانوں کان خبر نہ ہو۔" ہاں تو ساتھیو! آپ نے کان کے اتنے سارے استعمال دیکھے۔ "اگر کان نہ ہوتے" تو اردو زبان اتنے اعلیٰ اور عمدہ محاوروں سے بھی محروم رہتی۔ پس یہ ثابت ہوا کہ آدمی کے چہرے پر کان بہت ضروری ہیں۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اگر کان نہ ہوتے تو کانا پھوسی کس سے کرتے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے
کیوں یقیں آتا نہیں

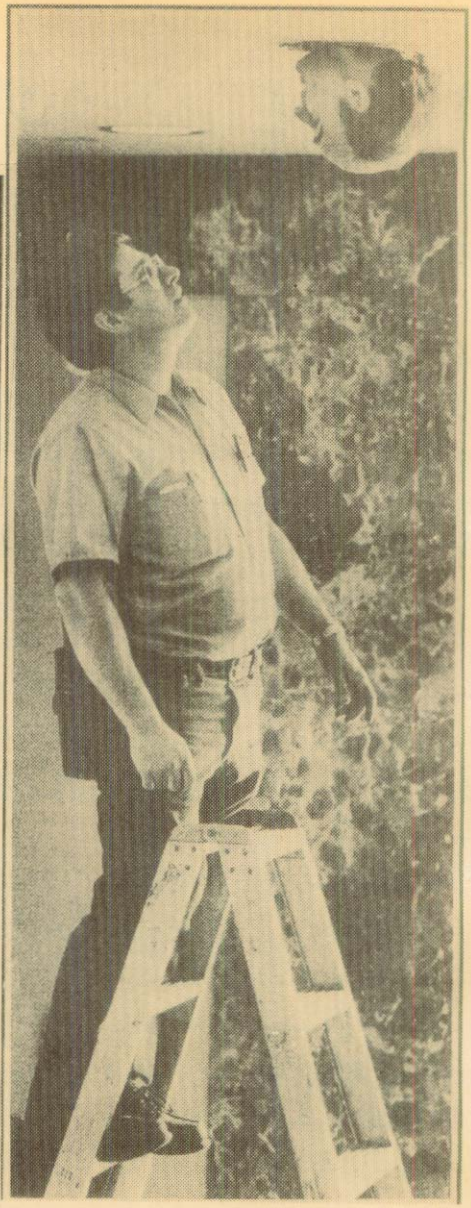

اس طرح
پینے کی
لذت اور
ہے

حیوانات کی زبان

سلمیٰ سلیم

جب آپ خوش ہوتے ہیں تو اپنے امّی ابّو کو دیکھ کر ان سے لپٹ جاتے ہیں۔ جب آپ کا کوئی دوست اداس ہوتا ہے تو آپ اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر اس کے دکھ کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح کے مواقع پر ہم دوسرے تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے جسمانی اشاروں کی زبان استعمال کرتے ہیں۔

انسانوں کی طرح حیوان بھی جسمانی اشاروں کی زبان استعمال کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ انسانوں کے برعکس ان کے اشارے آوازوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ مثلاً بھونکنا، غرّانا، وغیرہ۔ تاہم بہت سے حیوان اشاروں کنایوں کے ذریعہ حرکات و سکنات کے ذریعہ اور لمس کے ذریعہ اپنا پیغام دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔

عام طور پر حیوان جسمانی اشاروں کی زبان خوشی کے جذبات کے تبادلے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً چمپنیزی ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کر ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔ سمندری گھوڑے ایک دوسرے کے ساتھ اپنی ناک رگڑ کر اور شیر اپنے گالوں کو ایک دوسرے سے رگڑ کر خوشی کے جذبات کا تبادلہ کرتے ہیں۔ محبت کے جذبات کا یہ تبادلہ ایک دوسرے کی شناخت میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

تاہم حیوانات جب غصہ میں ہوتے ہیں تو پھر ان کے جسمانی اشاروں کی زبان بدل جاتی ہے۔ اگر کوئی حیوان دوسرے حیوان کے علاقے میں داخل ہو جائے تو وہ حیوان اپنے جبڑے دکھا کر اپنی ناراضگی ظاہر کر سکتا ہے۔ کچھ حیوان اپنے غصہ کے اظہار کے لئے اپنے جسموں کو بڑا کر لیتے ہیں۔ پرندے پر پھڑپھڑانے لگتے ہیں۔ بلّیاں اپنے جسم کا پچھلا حصہ بلند کر کے بال کھڑے کر لیتی ہیں۔

جب ایک ہی نسل کے دو حیوان آپس میں لڑتے ہیں تو شاید ہی کبھی ان کی یہ جنگ ان میں سے کسی کی موت کا سبب بنتی ہو۔ عام طور پر ہار ماننے والا ایک مخصوص اشارہ کرتا ہے اور لڑائی ختم ہو جاتی ہے۔ کچھ حیوان لڑائی ختم کرنے کا اشارہ کرنے کے لئے اپنا منہ دوسری طرف کر لیتے ہیں۔

کچھ حیوانات دوسرے حیوانات کے ساتھ اپنے تعلقات کو خوشگوار بنانے کے لئے ایک دوسرے کے بناؤ سنگھار میں حصہ لیتے ہیں مثال کے طور پر بندر ایک دوسرے کی جوئیں دیکھتے ہیں۔ غرضیکہ خوشی اور نفرت کے اظہار کے لئے حیوانات مخصوص جسمانی اشارے استعمال کرتے ہیں۔ یہ اشارے ان کی زندگی کو آسان بناتے ہیں۔

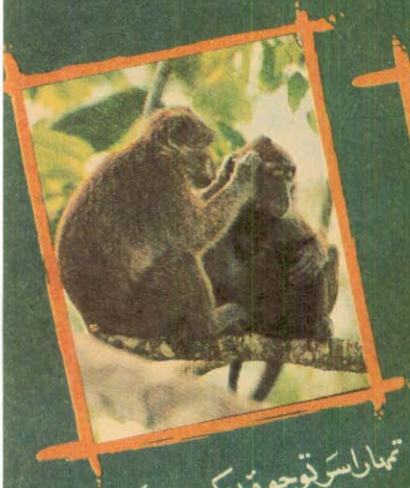

علاقے میں نئے
تم کیسے آئے؟

تمہارا سر تو جوؤں کی بستی لگ رہا ہے۔

کھیل کے ایسا کھیل - بڑھا جاتا ہے میل

پہاڑی بھیڑ بکروں کا گلے ملنا ہے
چہ معنی؟

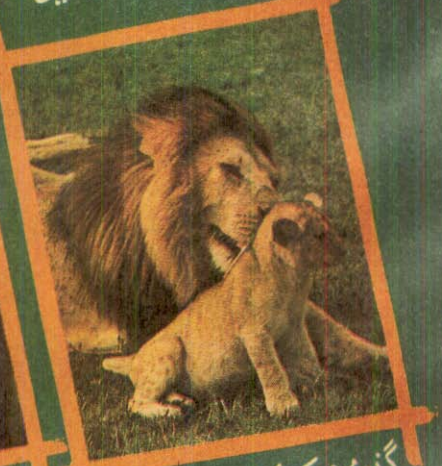

گدھے ہو کر آجاتے ہو،
کیا کرتے ہو؟

یہ نایاب آبی حیوان کیلی فورنیا کے خاص تالابوں میں پایا جاتا ہے۔ ان تالابوں سے اسے غذا کے طور پر بے شمار کیڑے مکوڑے دستیاب ہو جاتے ہیں۔

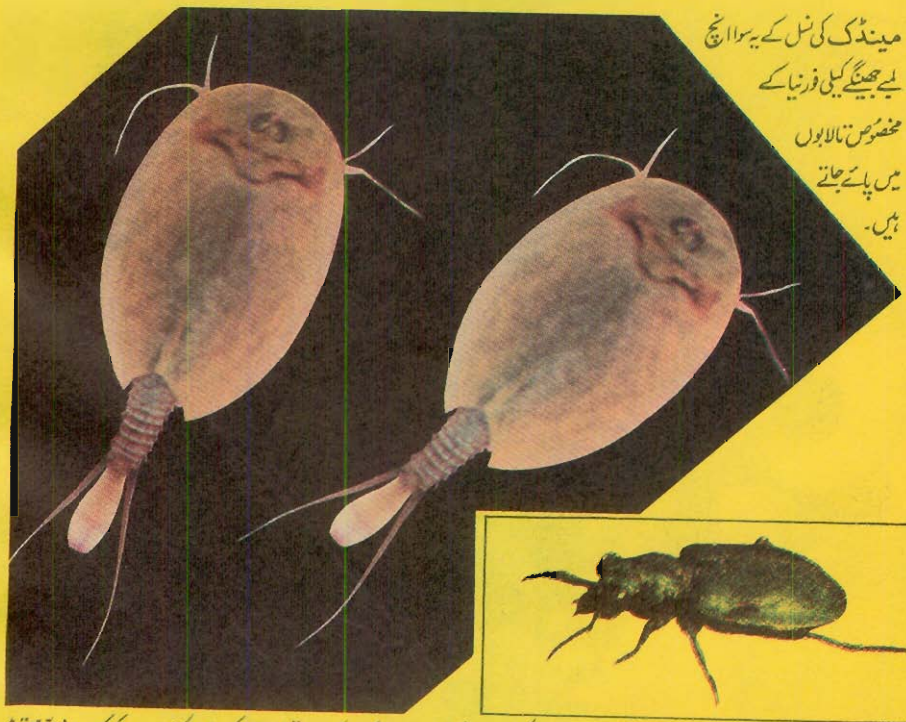

مینڈک کی نسل کے یہ سوا انچ لمبے جھینگے کیلی فورنیا کے مخصوص تالابوں میں پائے جاتے ہیں۔

یہ ڈیلٹا گرین بھنورے بھی خاص تالابوں میں ہی ہوتے ہیں ان میں سے کچھ بھنورے گہرے ہرے رنگ کے ہوتے ہیں جیسے کہ یہ ہیں جبکہ بھنوروں کی مکر پر سیاہ دھبے ہوتے ہیں

حیرت انگیز جوہڑ

اخگر انوار اعوان

دنیا میں جانداروں کی بے شمار قسمیں پائی جاتی ہیں لیکن امریکہ کے علاقے کیلی فورنیا کے نواح میں چند ایسے جوہڑ واقع ہیں جہاں پودوں، پرندوں اور خشکی اور پانی کے جانوروں کی ساٹھ سے زیادہ ایسی اقسام پائی جاتی ہیں جو دنیا کے کسی خطے میں نہیں پائی جاتیں۔ چوتھائی ایکڑ سے لے کر دس ایکڑ تک کے سائز کے یہ جوہڑ جانداروں کی ایک علیحدہ دنیا بسائے ہوئے ہیں اور حال ہی میں ان کی دریافت نے ماہرینِ نباتات، حیوانات اور حشرات کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔

پانی اور مٹی کے کیمیائی تجزیئے سے ثابت ہوا ہے کہ یہ جوہڑ کم و بیش پچاس ہزار سال پرانے ہیں اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس علاقے میں انسانوں اور مویشیوں کا گزر نہ ہونے کے برابر رہا ہے جس کی وجہ سے ان جوہڑوں کا حسن انسانوں یا مویشیوں کی دستبرد سے محفوظ رہا اور یہاں پر موجود جانداروں کو ارتقاء (EVOLUTION) کے تمام مرحلے بخوبی طے کرنے کا موقع ملا۔ اس کی دوسری وجہ ان جوہڑوں کا ہر لحاظ سے "خود کفیل" ہونا ہے۔ جوہڑوں میں پانی جمع ہونے کا واحد ذریعہ بارش ہے اور کسی ندی نالے یا نکاسی کے پانی کے مرہونِ منت نہیں ہیں۔ ان میں موجود جاندار "مشکل وقت" میں بھی جوہڑوں کا ساتھ نہیں چھوڑتے اور بغیر تازہ پانی کے چار سال تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ عام حالات میں پانی کے جانوروں کا اتنی لمبی مدت تک بغیر پانی کے گزارہ ناممکن ہوتا ہے۔ ماہرین نے نکاسی کا پانی ان جوہڑوں میں ڈالنے کا تجربہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ جتنے حصے تک گٹر کے پانی کے اثرات پہنچے اتنے حصے میں ہر جاندار مر گیا اور پودے اور جڑی بوٹیاں مرجھانا شروع ہو گئیں۔ چنانچہ اب انہوں نے حکومت سے جوہڑوں کو تباہی سے بچانے کے لئے آبادی کے پھیلاؤ کو اس سمت سے روکنے کے اقدامات کرنے کی اپیل کی ہے۔

یہاں ملنے والے پودے اور جڑی بوٹیاں چونکہ اور کہیں نہیں ملتیں اس لئے ان کو دیئے جانے والے نام بھی اکثر ہمارے لئے نامانوس سے ہوتے ہیں۔ مثلاً سولینو (SOLANO) ایک سدا بہار گھاس ہے جس کی اونچائی تین سے چار انچ کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ ان ہی میں سے صرف ایک

جوہڑ میں پائی جاتی ہے۔ دیگر نادر جڑی بوٹیوں میں کوہوٹ تھسل (cotote thistle)الکلی میلو (Alkali Mallow)اسپائیک رش (splke r-ush)وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان پر پھول مختلف وقتوں میں آتے ہیں اس طرح سال بھر میں جوہڑوں کے مختلف رنگ بدلتے رہتے ہیں۔

اگرچہ ان جوہڑوں کے قریب پائے جانے والے خشکی کے بعض جانور مثلاً ڈیلٹا گرین بیٹل اور عجیب وغریب قسم کے کینچوے بھی نادر ہیں لیکن پانی کے اندر پائے جانے والے جانور سب سے زیادہ دلچسپ ہیں۔ پھر ان میں بھی سرفہرست بلبلیا جھینگے (TADPOLE SHRIMPS)ہیں۔ ان کی لمبائی تقریباً سوا انچ ہوتی ہے اور یہ دیکھنے میں ٹیبل ٹینس کے ریکٹ سے مشابہ ہوتے ہیں۔ (تصویر دیکھئے) بلبلیا جھینگوں کی اب تک ایک سے زائد قسمیں دریافت ہو چکی ہیں۔

جھینگوں کی ایک اور قسم کرسٹاسا-(CRUIS TACEA)کہلاتی ہے اور ہر جوہڑ میں کل جانداروں کا اسّی فی صد یہی جھینگے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنی نسل بڑی تیزی سے بڑھاتے ہیں۔ موسم بہار کے آغاز میں ان کا تناسب اسّی فیصد سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔

اگرچہ کیلی فورنیا کا یہ حصہ خشک علاقوں میں شمار ہوتا ہے لیکن ان جوہڑوں کی وجہ سے ارد گرد کی آب وہوا مرطوب یا پُرنم ضرور رہتی ہے اور کراچی میں رہنے والے بچے تو اس بات سے بخوبی آگاہ ہوں گے کہ جہاں نمی ہو وہاں کھٹمل بھی ضرور ہوتے ہیں۔ یہاں پر بھی اگرچہ کھٹمل پائے جاتے ہیں لیکن یہاں باگھ (Tiger Beetle)نام کا ایک کھٹمل پایا جاتا ہے۔ جو پانی کی تہہ میں لپنا بسیرا کرتا ہے باگھ کھٹمل گرگٹ کی شکل کے ایک جانور ٹائیگر سلاینڈر (Tiger slamamder) کا جانی دشمن ہوتا ہے اور ٹائیگر سلاینڈر باگھ کھٹمل کا۔ اس دلچسپ فقرے کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ باگھ کھٹمل اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ لاروے کی شکل میں گزارتا ہے تاہم اس حالت میں بھی جبڑے اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ یہ انہیں بآسانی جسم میں داخل کر سکتا ہے۔ انہی مضبوط جبڑوں کی مدد سے وہ ٹائیگر سلاینڈر کے لاروں کو اپنی خوراک بناتا رہتا ہے۔ اس طرح ٹائیگر سلاینڈر کے زیادہ تر انڈے اس کی خوراک بنتے ہیں لیکن اس کے باوجود جب بعض ٹائیگر سلائنڈر جوانی کی عمر تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ باگھ کھٹمل کے تمام قرضے چکا دیتے ہیں اور ٹائیگر سلاینڈر ایک دن میں سینکڑوں باگھ کھٹملوں کو چٹ کر جاتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جواں باگھ کھٹمل اور جواں ٹائیگر سلاینڈر کی جسامت میں ایک اور ہزار کا تناسب ہوتا ہے۔

ایک اور دلچسپ مخلوق شجری مینڈک-(Tropi cal Tree Frog)ہے۔ جو عام حالتوں میں درختوں پر بسیرا کرتے ہیں اور سونے کے لئے زیر آب چلے جاتے ہیں۔ کیڑے مکوڑے ان کی مرغوب غذا ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ان

جوہڑوں میں زندگی "خود کفیل" ہے۔ یہاں کے تمام جانور ایک دوسرے کو کھا کر زندہ رہتے ہیں۔ بلکہ بعض آبی پرندے تو یہاں آتے ہی صرف عیاشی کے لئے ہیں۔ مثال کے طور پر بہت سے آبی پرندے سردیوں کے خاتمے پر اپنے وطن سے کینیڈا کی طرف ہجرت کرتے ہوئے راستے میں کچھ دیر کے لئے ان جوہڑوں کو بھی شرف میزبانی بخشتے ہیں۔ یہ پرندے ان جوہڑوں کو پروٹین (گوشت) کے ذخائر کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور جی بھر کر یہاں سے اپنی پروٹین کی کمی پوری کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ غوط خور مرغابیاں جو عام حالات میں پھل پھول پتے کھا کر گزارا کرتی ہیں یہاں آکر کر سٹاسا جھینگوں کو اپنی خوراک بنانا شروع کر دیتی ہے اور اس طرح اپنے اندر اتنی پروٹین جمع کر لیتی ہیں جو ان کے آئندہ کے سفر کے لئے کافی ہوتی ہے کرسٹا سا اپنی نسل کتنی تیزی سے بڑھاتے ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ تقریباً تمام جانوروں اور پرندوں کی خوراک بننے کے باوجود ہر جوہڑ کے کل جانوروں کا اسی (۸۰) فی صد ہوتے ہیں۔ جونہی ان کی آبادی بڑھنے کا موسم آتا ہے پرندوں کے علاوہ بھی بہت سے جانور مثلاً اے ووسٹس (Avocets)، سٹلٹس (Stilts)، کرلیو (Curlew) اور سینڈ پائپر (Sandpiper) وغیرہ بھی یہاں جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

کنجوس کا نوکر

☆ ایک کنجوس آدمی کے گھر مہمان آنے والے تھے انہوں نے اپنے بھلکڑ نوکر کو سمجھاتے ہوئے کہا وہ آئیں اور کہیں کہ بلب جلا دو تو کہنا بلب کا فیوز اڑ گیا ہے۔ اگر کہیں پنکھا چلا دو تو کہنا اس میں دم نہیں ہے۔ اگر کہیں کہ تمہاری بیگم صاحب کام کیوں نہیں کرتی ہیں تو کہہ دینا کہ اداس ہیں اور اگر میرا پوچھیں تو کہنا گیس کا سلنڈر چھوڑنے گئے ہیں۔

مہمان نے آتے ہیں کہا اندھیرا بہت ہو رہا ہے ذرا بلب تو جلانا، نوکر جھٹ بولا اداس ہے بیچارہ مہمان حیران رہ گئے اور بولے اچھا صاحب کہاں گئے ہیں؟ نوکر نے پھر جواب دیا صاحب کا فیوز اڑ گیا ہے۔ مہمان صاحب بڑے گھبرائے اور رازدارانہ لہجے میں بولے یہ تمہاری بیگم صاحبہ کوئی کام بھی کرتی ہیں یا نہیں؟ نوکر نے فوراً کہا دم نہیں ہے۔

وہ صاحب بڑے جھلائے اور بولے اچھا یار وہ پنکھا ہی چلا دو۔ یہ گیس چھوڑتا ہے نوکر نے دھیرے سے جواب دیا تو وہ صاحب سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔

(صائمہ صالح میمن ..... میرپور خاص)

حوصلوں کو مات نہیں

طاہر مسعود

"آنکھ مچولی" کے دفتر کی میز روزانہ ڈاک کے انبار سے بھر جاتی ہے۔ خطوط اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ ایک دن میں ان کو پڑھا بھی نہیں جاسکتا۔ اسی لئے کتنے ہی خطوط ایسے ہوتے ہیں جو جواب سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اکثر ہمیں یہ سوچ کر دُکھ بھی ہوتا ہے اور شرمندگی بھی کہ ہمیں بچے کتنی محبت اور امید کے ساتھ خط لکھتے ہیں جن کا جواب ہم نہیں دے پاتے۔ بچے ہماری اس بداخلاقی پر ناراض ہو جاتے ہیں، روٹھ جاتے ہیں اور آئندہ خط نہ لکھنے کی دھمکیاں بھی دیتے ہیں لیکن "آنکھ مچولی" سے انھیں اتنا لگاؤ ہے کہ انھیں جلد ہی ہماری مجبوریوں کا احساس ہو جاتا ہے اور وہ نہایت خلوص سے خط لکھ لکھ کر دفتر کی میز روزانہ ڈاک کے انبار سے بھر دیتے ہیں۔ کسی رسالے کی خوش نصیبی اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ اسے اتنے مخلص اور محبت کرنے والے قارئین میسر ہوں۔

جب اپنے دوستوں کے خط ملتے ہیں تو ہم انھیں ضرور پڑھتے ہیں۔ یہ جانے بغیر کہ وہ کون ہیں، کیسے ہیں، ان کے ذاتی حالات کیا ہیں۔ ہمارے لئے اتنا ہی جاننا بہت ہے کہ وہ "آنکھ مچولی" کے شیدائی ہیں۔ اسے پسند کرتے ہیں۔ اس سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ انہی خط لکھنے اور کہانیاں بھیجنے والوں میں سے کسی ایک کے بارے میں ہمیں اچانک ایسی معلومات ملتی ہیں کہ ہم حیرت زدہ رہ جاتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے گہری نیند سے آنکھیں کھل گئی ہوں۔ ایسا ہی ایک واقعہ پچھلے

دنوں پیش آیا۔ لیکن ٹھہریئے ہم آپ کو شروع سے ساری بات بتاتے ہیں۔

ہمارے رسالے میں جو ڈاک آتی تھی۔ ان میں اکثر ایک بچی کا خط بھی آیا کرتا تھا۔ اس کا نام راحت صلاح الدین تھا۔ صاف ستھری ہینڈ رائٹنگ، شائستہ تحریر، خط لکھنے کے ادب آداب سے پوری طرح واقف۔ ہمیں یاد نہیں کہ راحت صلاح الدین نے اپنے کسی خط میں کبھی کوئی نامناسب بات لکھی ہو، کبھی جواب نہ پاکر غصے کا اظہار کیا ہو، کبھی یہ دھمکی دی ہو کہ اگر میری یہ تحریر نہ چھاپی تو آئندہ سے آنکھ مچولی پڑھنا چھوڑ دوں گی وغیرہ۔ راحت صلاح الدین کے ہر خط میں ہمیشہ کام کی ہی باتیں ہوتی تھیں۔ کبھی پرچے کے بارے میں مفید مشورہ، کبھی اس کی خامیوں کی طرف اشارہ اور کبھی اپنی تحریروں کے بارے میں سوالات۔ ہمیں اب ٹھیک طرح سے یاد نہیں کہ ڈاک کے کالم میں ان کے کسی خط کا جواب دیا گیا تھا یا نہیں۔ لیکن یہ یاد ہے کہ راحت صلاح الدین کے انداز تحریر سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس بچی میں لکھنے کی بہت اچھی صلاحیت ہے اور اگر اس کی حوصلہ افزائی کی گئی تو وہ یقیناً آگے چل کر ایک کامیاب ادیبہ ثابت ہوگی۔ دو ایک مقابلوں میں راحت نے شرکت بھی کی اور منصفین کے فیصلوں کے مطابق اسے انعامات بھی ملے۔ چونکہ "آنکھ مچولی" کے مستقل لکھنے والوں کو اس قسم کے انعامات اکثر و بیشتر ملتے رہتے ہیں (اور بہتوں کو نہیں بھی ملتے) اسی لئے ہم نے راحت صلاح الدین کی ان کامیابیوں کو بھی کوئی بہت اہمیت نہیں دی۔ لیکن ہوا یوں کہ پچھلے دنوں ہمیں راحت کی نانی جان کے خط سے یہ خوشخبری ملی کہ راحت کی کہانیوں کی ایک کتاب "قیمتی تحفہ" کے عنوان سے چھپی ہے۔ انھوں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ کیا "آنکھ مچولی" میں اس کتاب پر تبصرہ چھپ سکتا ہے۔ ہمیں اس اطلاع پر خوشی ہوئی ساتھ ہی حیرت بھی کہ اتنی کم عمری میں راحت ایک کتاب کی مصنفہ بن گئی۔ بہرکیف، ہم نے انھیں جواب لکھ دیا کہ کتاب بھجوا دی جائے۔ ویسے بھی ہم آنکھ مچولی میں وقفے وقفے سے کتابوں پر تبصرے چھاپتے رہتے ہیں تاکہ ہمارے پڑھنے والوں کو نئی کتابوں کے متعلق معلومات ملتی ہیں اور ان میں کتابیں پڑھنے کا شوق پروان چڑھتا رہے۔

ایک آدھ ہفتے میں ہمیں "قیمتی تحفہ" ڈاک سے مل گئی۔ لیکن اس خط کے ساتھ ہی کتاب کے ناشر جناب شیخ محمد علی کا بھی ایک خط منسلک تھا جس میں تبصرے کی درخواست کے علاوہ ایک جملہ ایسا بھی درج تھا جو ہمارے ذہن میں بم کے دھماکے کی طرح پھٹا لکھا تھا۔

"راحت جسمانی طور پر کلیۃً معذور اور قوت گویائی سے محروم ہیں۔ میرے نزدیک اس کتاب کی اشاعت کا مقصد راحت کی زندگی میں خوشیوں کے پھول بکھیرنا تھا۔ اگر کسی حوالے سے آپ میرا ساتھ دے گئے تو یقیناً یہ بھی راحت کے لئے بہت اچھا ہوگا۔"

ابھی ہم اس خط سے پوری طرح سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ راحت کی امی مسز صلاح الدین کا خط

آپ نچا جس نے ہمارے ذہن میں اٹھنے والے بہت سے سوالوں کے جواب فراہم کر دیئے۔ یہ خط رسالے کے مدیر اعلیٰ جناب ظفر محمود شیخ کے نام تھا۔ خط کا آغاز کچھ اس طرح سے تھا۔

جناب ظفر محمود شیخ صاحب السلام علیکم!

طاہر مسعود صاحب کا خط کچھ عرصہ ہوا ملا تھا جس میں انھوں نے تبصرہ کے لئے کتاب "قیمتی تحفہ" مانگی تھی۔ امید ہے کہ وہ کتاب آپ کو مل گئی ہوگی۔ ایک وضاحت راحت کی بیماری یا Disorder کے بارے میں۔ شاید آپ نے یہ نام پہلی مرتبہ سنا ہو۔ یہ ان کو پیدائشی ہے اور اس میں تمام اختیاری حرکات جو Spinal order سے کنٹرول ہوتی ہیں، آہستہ آہستہ معدوم ہوتی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ راحت اب بہت زیادہ Active نہیں ہے۔ بچپن میں یہ تھوڑا بہت بول لیتی تھی۔ گو کہ مشکل سے۔ مگر چلنا پھرنا ممکن نہیں تھا۔ اس وجہ سے یہ اسکول بھی بہت کم عرصے کے لئے جا سکی۔ مگر اتنا ہو گیا کہ لکھنا پڑھنا آ گیا۔ پھر اسے لکھنے کا شوق ہوا تو کچھ چھوٹی موٹی کہانیاں لکھیں جو آپ لوگوں کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے مزید شوق کا باعث بنیں ابتدا میں تو یہ خاصی تیزی سے لکھ سکتی تھی لیکن اس بیماری کی Progress کی وجہ سے آہستہ آہستہ لکھنے کی رفتار بھی کم ہونے لگی۔ اسی لئے میں نے چاہا کہ اس کی بھرپور حوصلہ افزائی کروں۔ اس لئے میں نے اس کی چند شائع شدہ اور چند غیر مطبوعہ کہانیوں کو کتابی صورت میں جمع کرنے کا فیصلہ کیا۔ جو الحمد اللہ اسلامک بک کارپوریشن کے تعاون سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

اپنے محدود وسائل اور محدود مطالعے کی بنا پر راحت میں اتنی وسیع النظری تو نہیں مگر اپنے محدود مشاہدوں اور تخیل کی مدد سے جو کہانیاں راحت نے تخلیق کی ہیں وہ یقیناً آپ کی توجہ چاہیں گی۔

ایک بات میں آپ کو اور یاد دلانا چاہتی ہوں کہ مارچ ۱۹۸۷ء میں "کارٹون اسٹوری رائٹنگ" میں راحت کو دوسرا انعام اور ستمبر ۱۹۸۷ء میں پہلا انعام کتابوں کی صورت میں "آنکھ مچولی" کی طرف سے مل چکا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی بہت حوصلہ افزائی ہوئی۔ اب اجازت دیجئے شکریہ۔

والسلام

مسز صلاح الدین

مسز صلاح الدین کے خط نے ہمیں بے حد متاثر کیا۔ آنکھ مچولی کو کہانیاں بھیجنے والی یہ بچی زندگی کے دکھوں میں اس طرح گھری ہوگی، یہ تو ہم نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ لیکن ہمیں خوشی تو اس بات کی تھی کہ راحت کو ایک ایسا گھرانہ ملا تھا جہاں اس کو یہ موقع ملا کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو سامنے لائے۔ اس میں اس کی والدہ، نانی اور دوسرے سبھی اس کی مدد کر رہے تھے۔ یہ بات انتہائی اطمینان بخش تھی۔ ایک بات جو ہمیں پریشان کر رہی تھی، یہ تھی کہ خود راحت صلاح الدین نے اپنے کسی خط میں اس مجبوری و معذوری کا تذکرہ

کیوں نہیں کیا۔ حد تو یہ کہ اپنی کتاب چھپنے کی اطلاع بھی خود نہیں دی آخر کیوں؟ ابھی یہ سوال ذہن میں گونج ہی رہا تھا کہ راحت کا خط ملا۔ لکھا تھا۔

محترم ظفر محمود شیخ صاحب۔ السلام علیکم

۲۶ فروری کو آنکھ مچولی کی طرف سے یہ خط موصول ہوا تو مجھے بڑی شدید حیرانی ہوئی تھی لیکن خط کھول کر جب پڑھا تو ساری حیرانی دور ہو گئی اور پوری حقیقت حال واضح ہو کر میرے سامنے آ گئی۔ وہ خط یقیناً میری نانی کو بھیجا گیا تھا جنھوں نے میری کتاب چھپنے سے متعلق آپ کو آگاہ کیا ہو گا۔ میری کتاب جب چھپ کر آئی تھی تب سے وہ مجھے مجبور کر رہی تھیں کہ میں آپ کو خط لکھ کر اس بات سے مطلع کر دوں مگر میں ٹال مٹول سے کام لیتی رہی۔ یہ دیکھ کر انھوں نے خود ہی خط تحریر کر کے آپ کو بھیج دیا۔ میں نہیں جانتی کہ میری نانی نے خط کب لکھ کر بھیجا؟ مجھے تو اس وقت پتہ چلا تھا جب ماہنامہ آنکھ مچولی کے مدیر اعزازی کا خط میری نظر سے گزرا۔ اب جبکہ میری کتاب کے بارے میں آپ کو علم ہو ہی چکا ہے تو میں نے مناسب سمجھا کہ میں اپنا تعارف کرا دوں۔ ویسے تو آپ کو کتاب کے ذریعے سے میرے متعلق معلوم ہو جائے گا۔ ممکن ہے کہ آپ کو اب تک میری کتاب مل چکی ہو اور آپ میرے بارے میں جان گئے ہوں۔ اس کے باوجود میں آپ کو خط لکھنے پر مجبور ہو گئی ہوں۔

دراصل میں چلنے پھرنے کی طاقت اور قوتِ گویائی سے محروم ایک لڑکی ہوں۔ اپنی اسی مجبوری کے باعث میں صرف پانچویں جماعت تک تعلیمی مدارج طے کر سکی۔ اس سے آگے مزید تعلیم حاصل کرنا میرے لئے از حد مشکل تھا۔ بہر حال میں نے جہاں تک بھی پڑھا اس کے لئے میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں ورنہ آج میں لکھنے کی جس صلاحیت سے مالا مال ہوں اس سے بھی محروم رہتی۔ اپنے بارے میں مزید یہ بھی بتا دوں کہ بچپن ہی سے ایک بیماری نے مجھے گھیرے میں لے رکھا ہے جس کا نام Congential Anterior Horn Demylinating Disorder ہے۔ یہی وہ بیماری ہے جس کی وجہ سے میں کہیں آ جا نہیں سکتی اور اسی لئے گھر پر رہ کر یا تو مطالعہ کرتی رہتی ہوں یا پھر ٹی وی اور ریڈیو دیکھ اور سن لیتی ہوں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے مجھے لکھنے کی جس صلاحیت سے نوازا ہے، اس سے فائدہ اٹھا کر میں بچوں کے لئے کہانیاں لکھتی ہوں۔

میری کتاب میں شامل ایک کہانی دیکھ کر آپ یقیناً چونک گئے ہوں گے کیونکہ وہ کہانی "آنکھ مچولی" کی زینت بن چکی ہے۔ میں چونکہ آپ کو پوری صورت حال سے آگاہ کرنے کا تہیہ کر چکی ہوں اس لئے یہ بتانے میں بھی کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کروں گی کہ میری کتاب میں میری وہ تمام کہانیاں شامل ہیں جو شائع شدہ ہیں اور وہ بھی جو غیر شائع شدہ ہیں۔ دراصل یہ میری امی کی خواہش تھی کہ

میری تمام کہانیاں ایک کتاب کے اندر جمع ہو جائیں۔ ان کی اس خواہش کے پیچھے میرا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ مجھے تو بس لکھنے سے غرض تھی سو میں لکھتی چلی گئی۔ امی کی وہ خواہش اب پایۂ تکمیل کو پہنچی ہے۔

میں آپ کو یہ خط تحریر کرتے ہوئے بہت عجیب سا محسوس کر رہی ہوں شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اپنے اس خط میں رسالے پر تبصرہ لکھنے کی بجائے اپنے متعلق لکھ رہی ہوں۔ ویسے بھی میرے لئے یہ پہلا موقع ہے کہ اپنے بارے میں، میں خود ہی سب کچھ بیان کر رہی ہوں۔ میں کافی عرصے سے آپ کو خط لکھتی چلی آ رہی ہوں۔ مگر میں نے کبھی اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ میں اپنے بارے میں بھی لکھ دوں۔ نہ ہی مجھے یہ اچھا لگتا ہے لیکن جب سے یہ پتا چلا کہ کتاب آپ کو بھجوا دی گئی ہے تو میں نے بہت سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ آپ کو اپنے متعلق سب کچھ لکھ دوں۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔

والسلام

راحت صلاح الدین

راحت کے اس خط سے جن چند باتوں کا اندازہ ہوا وہ نہایت خوشگوار تھیں۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ ایک پُرعزم اور باہمت لڑکی ہے جس نے حالات کے سامنے مایوس ہونا نہیں سیکھا اور اس نے اپنی مجبوری کو مجبوری سمجھ کر بیٹھ رہنے کے بجائے اپنے لئے ایک راستہ تلاش کیا۔ ایک ایسا راستہ جس سے اچھا راستہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ اس نے کاغذ اور قلم سے اپنا رشتہ جوڑ لیا تاکہ اس کی تحریریں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائیں۔ اس کے خیالات اور احساسات ان تحریروں میں ہمیشہ زندہ رہ جائیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ بے حد خوددار اور اچھی عادات اور سوچ کی مالک ہے۔ اس نے اتنے عرصے میں کبھی ادارہ آنکھ مچولی پر اپنی معذوری ظاہر نہیں ہونے دی اور نہ اس بنا پر کبھی کوئی رعایت مانگی۔ حالانکہ اکثر بچوں کو کسی نہ کسی انداز میں رعایت مانگنے کی عادت پڑتی جا رہی ہے جو اچھی بات نہیں۔ راحت نے اپنی ہر تحریر اہلیت کی بنیاد پر چھپوائی انعامات بھی اسی طرح جیتے۔ اسے اپنے منہ سے یہ ساری باتیں کرتے ہوئے اچھا بھی نہیں لگتا۔ اگر اس کی امی خط نہ لکھتیں تو شاید ہم ہمیشہ اندھیرے میں رہتے۔ سچی بات پوچھئے تو راحت صلاح الدین کی زندگی ہم سب کے لئے مثال ہے۔ کیونکہ اس نے ہمیں زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھایا ہے۔ اور وہ ڈھنگ کیا ہے؟ ایک جملے میں یہ ہے کہ "زندگی کو بامقصد بنا لو اور اسے بامعنی طریقے سے گزار دو۔"

راحت کی کتاب "قیمتی تحفہ" میں بھی جتنی چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہیں ان میں کوئی نہ کوئی سبق، کوئی نہ کوئی اچھی نصیحت ضرور موجود ہے۔ جنہیں پڑھ کر ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ مثلاً ہم یہی سیکھ سکتے ہیں کہ ہمیں ایک دوسرے سے محبت کرنی چاہئے۔ کسی کو دکھ نہیں دینا چاہئے۔ ہر حال میں سچ بولنا

چاہئے۔ اور سچی خوشی حاصل کرنے کے لئے ایثار و قربانی سے کام لینا چاہئے۔ وغیرہ۔ یہ کہانیاں اس لئے بھی بہت اچھی اور سبق آموز ہیں کہ ان کہانیوں کو سنانے والی مصنفہ کی زندگی میں ہمیں ان اچھی باتوں کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

شاباش راحت صلاح الدین...... تم نے زندگی کی کتاب پر گہری روشنائی سے اپنا نام لکھ دیا۔ ادارہ آنکھ مچولی تمہیں اپنے تمام پڑھنے والوں کی طرف سے تہہ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہے۔ اور تمہاری صحت یابی کے لئے دعائیں کرتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ تمہارے حوصلے ہمیشہ بلند رہیں گے اور تم آئندہ بھی ہمیں اتنی ہی اچھی کہانیاں پڑھنے کے لئے دیتی رہو گی۔

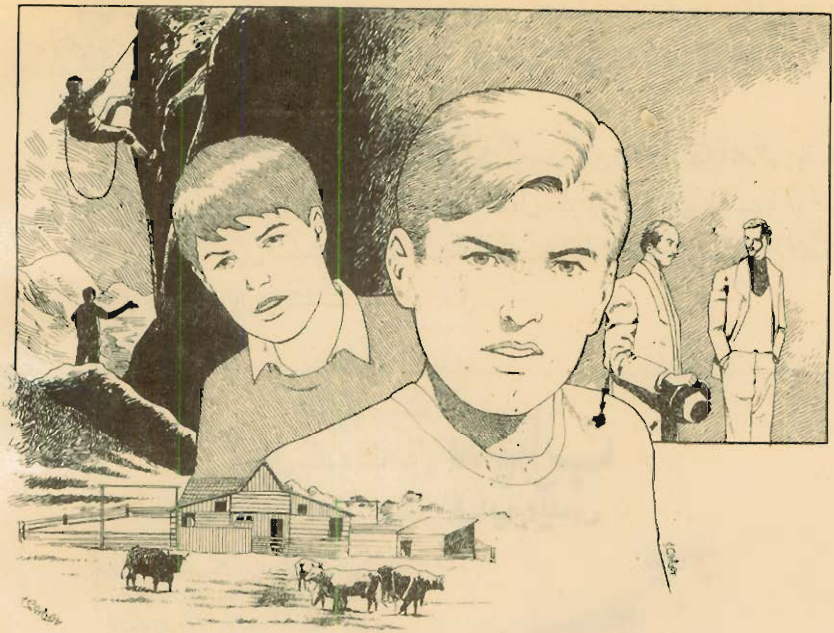

چاندی نگر میں سونا

قسط ۱

شاہنواز فاروق

وہ یہاں بالکل اچانک ہی آ گئے تھے۔ بغیر کسی منصوبے کے۔ یہ پراسرار قصبہ پہاڑیوں کے دامن میں واقع تھا۔

"عجیب سی جگہ ہے" روڈی نے کہا" میرے خیال میں انکل جو کے مویشیوں کے باڑے کے اس پار کسی قصبہ کی موجودگی ناممکن سی بات لگتی ہے۔"

"ہاں" مائک نے روڈی سے اتفاق کرتے ہوئے کہا " آؤ چلیں اور اس قصبے کے آثار کو تلاش کریں۔" دونوں لڑکوں نے اپنے گھوڑے وادی میں اتار دیئے۔ ابھی وہ ذرا ہی آگے بڑھے تھے کہ انہیں سگریٹ وغیرہ کی ایک دکان نظر آئی۔ روڈی نے اس کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر اس میں تالا لگا ہوا

تھا۔

"عجیب سی جگہ ہے" روڈی نے اپنا پہلے والا جملہ دہرایا۔

انہوں نے اپنے گھوڑے ایک گھر کے ستون سے باندھے اور پھر وہ اس قصبہ کی گلیوں میں گشت کرنے لگے۔ اس قصبہ کی گلیاں دھول سے اٹی ہوئی تھیں۔ گھروں کے دروازے کھلے ہوئے اور ان کی کھڑکیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ پورے قصبہ پر موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہاں اب صرف ان دونوں لڑکوں کے قدموں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

"معلوم نہیں اس قصبہ کے تمام لوگ کہاں چلے گئے ہیں؟" مائنک نے کہا۔ پھر اس نے ایک کھڑکی سے ایک گھر کے اندر جھانکا۔ وہ بھی پورے قصبہ کی طرح خالی اور اجڑا ہوا تھا۔

"مجھے معلوم ہے روڈی نے کہا "یہ کوئی بھوت نگر ہے۔ کبھی لوگ یہاں موجود سونے کی کانوں سے سونا نکالنے آتے تھے، پھر شاید یہاں سونا ختم ہو گیا۔ وہ دیکھو وہاں کچھ کھُدی ہوئی کانوں کے آثار موجود ہیں۔"

اب دونوں باتیں کرتے ہوئے ایک سوکھے چشمے پر بنے ہوئے لکڑی کے پُل پر پہنچ گئے تھے۔ چند لمحوں بعد انہیں احساس ہوا کہ وہ دونوں یہاں اکیلے نہیں ہیں بلکہ کوئی اور بھی وہاں موجود ہے۔ ایک آدمی پُل کے دوسرے کونے پر کھڑا قصبہ کے خالی گھروں اور ویران گلیوں کو حسرت سے تک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خواب تھے اور دکھ تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات صاف بتا رہے تھے کہ وہ اس قصبہ کو اس کے اچھے دنوں کے زمانے سے جانتا ہے۔

اس آدمی نے جیسے ہی لڑکوں کو دیکھا وہ ان کی طرف چل پڑا۔

"میرا خیال تھا کہ یہاں میری ملاقات کسی انسان سے نہیں ہوگی" اس آدمی نے ان کے قریب آتے ہوئے کہا۔

"کیا اس قصبہ میں سونے کی کانیں تھیں؟" مائنک نے پوچھا۔

"ہاں" اس آدمی نے جواب دیا "آج سے پانچ برس پہلے یہ سارا قصبہ انسانوں سے بھرا رہتا تھا، یہاں ہر طرف زندگی تھی"

"میرے خیال میں سونے کا لالچ ان سب کو کھا گیا" روڈی نے خیال ظاہر کیا۔

اس آدمی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنے خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ چند لمحوں تک وہ اسی طرح خاموش کھڑا رہا۔ پھر بولا۔

"لوگ سونے کو قیمتی ترین شے سمجھتے ہیں مگر ایسا نہیں ہے، ایک شے سونے سے بھی زیادہ قیمتی اور

اہم ہے۔ "

"کیا" دونوں لڑکوں کے منہ سے اچانک نکلا۔

"پانی! سونے کی کمی نے اس قصبہ کو نہیں اجاڑا بلکہ پانی کے نہ ہونے کی وجہ سے ایسا ہوا"

"اس قصبہ کا نام کیا ہے" مائک نے پوچھا۔

"آراس" اس آدمی نے جواب دیا۔

"پھر وہ شخص مسلسل باتیں ہی کرتا چلا گیا۔ اس کی گفتگو کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے وہ لڑکوں سے بھی باتیں کر رہا ہو اور خود سے بھی، بلکہ خود سے زیادہ لڑکوں سے کم ہی کہتا رہا۔

"میں نے سونے سے خاصی دولت کمائی ہے۔ اور میں نے ہی ان کانوں پر کھدائی کا آغاز کروایا تھا۔ میں نے یہاں دو تین برس تک کام کیا۔ پھر سونا میرے لئے بے معنی ہو گیا اور مجھے انسانوں سے زیادہ دلچسپی ہو گئی۔ ان کانوں میں کام کرنے والے تمام لوگ بہت پیارے تھے۔ میں چاہتا تھا کہ ان تمام لوگوں کو اچھے گھر مہیا کروں۔ ان کے بیوی بچوں کو اچھا ماحول فراہم کروں۔ میں اس قصبہ میں اسکول کالج اور ہسپتال کھولنا چاہتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ یہ ایک مثالی قصبہ بن جائے۔ اور پھر جب میں اپنے منصوبے پر کام کا آغاز کرنے والا تھا تو اس قصبہ میں پانی ختم ہو گیا۔ وہ منظر بڑا ہی عجیب ہوتا جب میں یہاں آتا اور لوگوں کو کام پر نہ دیکھتا۔ مگر یقین کرو یہ منظر اس سے بھی زیادہ برا لگتا کہ وہاں سونا تو ہے مگر پینے کا پانی نہیں" وہ شخص ایک لمحے کو رکا اور پھر بولا۔

"میں اس قصبہ میں خوشحالی لانے کی کوئی بھی قیمت ادا کر سکتا ہوں"

"کتنی بدقسمتی کی بات ہے" روڈی نے افسوس کے ساتھ کہا۔ مائک نے دھول میں آہستہ سے ایک ٹھوکر ماری اور سوچا کہ کاش وہ اس قصبہ کے لئے کچھ کر سکتے۔

وہ شخص چلتے چلتے اچانک رکا اور پھر گھوم کر قصبہ سے باہر جانے والے راستے پر چل پڑا۔ ایسے جیسے وہ یہاں ایک لمحہ بھی رکا تو اس کا سانس رک جائے گا۔ اس کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی وہ جگہ اور بھی پر اسرار ہو گئی اور دونوں لڑکے وہاں سے جلدی سے جلدی نکل جانے کے بارے میں سوچنے لگے۔

چند لمحوں میں وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر چاندی نگر کی طرف چل پڑے جہاں ان کے انکل کا گھر تھا۔ وہاں سے جانے سے پہلے انہوں نے آخری بار اس اجاڑ قصبہ کو دیکھا۔

"کاش............ کاش" مائک نے کہا

"ہاں کاش ہم اس قصبہ کے لئے کچھ کر سکتے" روڈی نے جواب دیا۔

رات کے کھانے پر انہوں نے اپنے انکل کو اس سارے واقعہ کے بارے میں بتایا تو وہ کہنے

لگے۔

"بھئی پانی یہاں واقعی ایک مسئلہ ہے۔ میں بھی اپنا کام بڑی مشکل سے چلاتا ہوں۔ میرا کنواں بھی گرمیوں میں خشک ہو جاتا ہے۔"

"ہم ایک بار پھر آراس جائیں گے اور وہاں کی کانوں میں سونا تلاش کریں گے۔ مائک نے کہا"

"ان کانوں کا آغاز میرے گھر سے ذرا فاصلے پر ہوتا ہے"

انکل نے کہا "میرے یہاں آنے سے قبل کچھ لوگوں نے ان کانوں کو میرے گھر کے سامنے سے کھودنے کی کوشش کی تھی مگر وہ ناکام رہے۔"

"مجھے آراس میں ملنے والے اس شخص کو یاد کر کے اتنا دکھ ہوتا ہے کہ بتا نہیں سکتا" روڈی نے کہا۔

"خیر اس میں دکھ وکھ کی کوئی بات نہیں۔ اب اگر تم کھیل کے طور پر سونا تلاش کرنا چاہو تو تمہیں آراس جانے کی ضرورت نہیں۔ یہیں چاندی نگر میں ہمارے گھر سے تھوڑے فاصلے پر سونے کی پرانی کانیں موجود ہیں" انکل جو نے کہا

"انکل ایک بات تو بتائیں آپ کے اس علاقے کا نام چاندی نگر کیوں ہے۔ دیکھیں نا یہاں سے نکلتا سونا تھا، مگر نام ہے اس کا چاندی نگر، عجیب سی بات ہے" مائک نے انکل جو سے پوچھا۔

"تم نے اس قصبہ کو چودھویں کی رات میں نہیں دیکھا کبھی دیکھو گے تو تم بھی یہی کہو گے کہ اس کا نام چاندی نگر ہی ہونا چاہئے۔ اس قصبہ کی پہاڑیاں اور اس کے میدان چاندنی رات میں چاندی کی طرح چمکتے ہیں" انکل جو نے وضاحت کی۔

"بیچارہ آدمی" روڈی نے جو اپنے خیالات میں غرق تھا ہولے سے کہا۔ "انکل اس آدمی کو آراس سے اتنی ہی محبت ہے جتنی آپ کو اپنے جانوروں سے ہے" روڈی نے اتنا ہی کہا تھا کہ اسے اچانک احساس ہوا کہ اس نے جانوروں کا تذکرہ غلط وقت پر کر دیا ہے۔ کیونکہ انکل جو کا چہرہ اچانک پیلا پڑ گیا تھا اور وہ اپنی عمر سے زیادہ بوڑھے لگنے لگے تھے۔

"کیا ہوا انکل۔ کیا آپ بیمار ہیں؟" مائک نے انکل جو کے چہرے کے بدلے رنگ کو دیکھ کر پریشان ہوتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں بیٹا! میں ٹھیک ہوں" انکل جو نے اسے یقین دلایا۔ یہ کہہ کر انکل جو نے کافی کا بڑا سا

مگ ایک ہی سانس میں اپنے اندر انڈیل لیا۔ اور پھر تیز تیز آواز میں اور کچھ زیادہ پرجوش انداز میں گفتگو شروع کر دی۔

لیکن وہ دونوں لڑکوں کو مطمئن کرنے میں ناکام رہے۔ لڑکے جانتے تھے کہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔

چند لمحے تک خاموش رہنے کے بعد مائک بولا

"انکل اگر کوئی بات ہے تو ہمیں بتایئے، شاید ہم آپ کے کچھ کام آسکیں۔"

"ہاں" انکل جو نے آہستہ سے کہا "تم بڑے اچھے بچے ہو اور میں نہیں چاہتا کہ تم گرمیوں کی ساری چھٹیاں خواہ مخواہ کی فکر میں مبتلا ہو کر برباد کرو..... لیکن بہرحال اب تم ضد کر ہی رہے ہو تو میں بتائے دیتا ہوں کہ میرے جانوروں کے باڑے میں موجود جانوروں کے اندر منہ اور پیروں کی بیماری تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آئندہ چند ہفتوں میں میرا پورا باڑہ تباہ ہو جائے گا اور میں برباد ہو جاؤں گا۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ اس باڑے کے ایک ایک جانور کو میں نے کتنی محنت سے خریدا اور پالا ہے۔ بہرحال اب تو مجھے لگتا ہے کہ عنقریب مجھے اپنی یہ جگہ فروخت کر کے یہاں سے جانا ہی پڑے گا" انکل جو نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"اوہ میرے خدا" روڈی کے منہ سے نکلا اور پھر وہ دھیرے سے بڑبڑایا "مجھے معاف کر دیجئے انکل..... پیارے انکل"

پھر طویل وقفہ تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر اچانک روڈی نے کہا

"انکل کیا آپ اپنے باڑے کے تمام جانور فروخت نہیں کر سکتے؟"

"نہیں بیٹے منہ اور پیر کی بیماریوں کے ساتھ انہیں کون خریدے گا" انکل جو نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

"اور پھر مجھے روپے سے زیادہ اس بات کا دکھ ہے کہ میری وہ ساری محنت اور محبت بے کار جائے گی جو میں نے ان جانوروں کو پالنے پر کی ہے۔ اب اس بچھڑے کو دیکھو امریکہ میں یہ اپنی نسل کا سب سے اچھا بچھڑا ہے اور میں نے ایک ایک پل اس کی دیکھ بھال کی ہے، مگر عنقریب یہ مجھ سے جدا ہو جائے گا" انکل جو کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

اس کے بعد کا دن اور ہفتہ یوں لگتا تھا کہ کبھی ختم ہی نہ ہو گا۔

"تم بس میری اتنی مدد کر سکتے ہو کہ اپنی چھٹیاں مزے سے گزارو" انکل جو نے دونوں لڑکوں سے کہا۔

ایک ہفتہ کے اندر اندر چاندی نگر تبدیل ہو کر رہ گیا۔ اب وہاں کے لوگ ایک دوسرے کو لطیفے

نہیں سناتے تھے اور نہ ہی کوئی ہنسی مذاق کرتے تھے۔ باڑے کے جانور رفتہ رفتہ مرتے جا رہے تھے۔

لڑکوں کی چھٹیاں مزے میں گزرنے کی بجائے افسردگی کے عالم میں گزر رہی تھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ انکل جو کی مدد کریں۔ مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ ایسا کس طرح کریں۔

"آؤ کان میں سونا تلاش کریں" ایک دوپہر روڈی نے مائک سے کہا۔

"ٹھیک ہے" مائک نے کہا۔ دونوں لڑکے انکل جو کے دکھ میں اتنے ڈوبے تھے کہ اپنی اس مہم پر جاتے ہوئے انہیں کوئی خوشی نہ ہوئی۔ بہرحال ایک دوپہر کو انہوں نے ٹارچ لی اور انکل جو کے گھر سے تھوڑی دور پر واقعہ ایک کان میں داخل ہوگئے۔ لیکن جیسے ہی وہ دن کی روشنی کو چھوڑ کر کان کی تاریکی میں داخل ہوئے ان میں ایک جوش پیدا ہوگیا۔ وہ چلتے رہے۔ چلتے رہے۔ کان میں تاریکی بھی تھی اور نمی بھی۔ وہ ٹارچ کی روشنی میں مسلسل آگے بڑھ رہے تھے۔

"فرض کرو ہم نے یہاں بہت سا سونا تلاش کرلیا" مائک نے کہا۔ "تو اس سے کیا انکل جو کی مدد ہو جائے گی؟" میرے خیال میں اگر وہ اس سونے کو نکال کر فروخت کریں۔ تو جانوروں کا ایک نیا باڑہ خرید سکیں گے۔"

"میرے خیال میں ایسا ممکن نہیں۔ اوّل تو انکل جو کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ وہ سونے کو کھدوانے کا کام شروع کروا سکیں۔ اور پھر اب وہ پہلے والا زمانہ تو رہا نہیں کہ لوگوں کے غول کے غول بغیر پیسے کے تھوڑے سے سونے کے لئے کان کھودنے پر تیار ہو جائیں۔ اور پھر اس علاقے کے تمام لوگ جانتے ہیں کہ ان کانوں سے تقریباً سارا سونا کھود کر نکالا جا چکا ہے۔"

"تو پھر انکل جو کیا کریں گے" مائک نے پوچھا "کیا انہیں نوکری کرنی پڑے گی۔ لیکن نوکری کرنا انکل جو کے لئے بڑا مشکل ہوگا۔ بھلا جو کبھی سینکڑوں جانوروں کے باڑے کا مالک رہ چکا ہو وہ کسی کی نوکری کیسے کرے گا۔"

"ہاں" روڈی نے ہمدردی سے بھرے لہجے میں ہاں کرتے ہوئے سر ہلایا۔

اب کان کا راستہ خاصا راوبڑ کھابڑ ہو چکا تھا۔ اور اب کہیں پاس ہی سے کچھ عجیب سی آواز بھی آنے لگی تھی۔

"یہ کس کی آواز ہے؟" مائک نے پوچھا۔

"معلوم نہیں"

آواز پھر آئی۔ اس بار آواز پہلے کی نسبت قریب سے آئی تھی۔

"میرے خدا" مائک کے منہ سے مارے خوف کے نکلا

"آؤ باہر چلیں" مانک نے چلا کر کہا۔

"گھبراؤ نہیں کچھ نہیں ہوگا۔ مجھ لگتا ہے یہ کسی شے کی بازگشت ہے۔ صبر کرو۔ لیکن اگر تم کہو گے تو ہم یہاں سے نکل چلیں گے"

روڈی نے کہا۔

یہ کہہ کر اس نے ایک ہاتھ سے دیوار تھامی اور دوسرے ہاتھ سے مانک کو پکڑا اور پھر دوسرے ہی لمحہ ایک زور دار دھماکہ ہوا اور بڑے بڑے پتھر ادھر ادھر لڑھکنے لگے۔ ایسا لگتا تھا پوری زمین ہل گئی ہے۔ اچانک مانک کو لگا کہ اس کے قدموں کے نیچے سے زمین کھسک گئی ہے۔ اس نے اس احساس کے ساتھ ہی ایک لمحے کی دیر کئے بغیر کان کے ایک پتھر کو پکڑ لیا۔ اگرچہ اس کوشش میں اس کے ہاتھ چھل گئے تھے لیکن وہ اپنا توازن برقرار رکھنے میں کامیاب رہا۔

"مانک" روڈی پوری قوت سے چلایا۔ "تم ٹھیک تو ہو نا؟" کوئی جواب نہ آیا۔ ہر طرف گرتے ہوئے پتھروں کی آوازیں تھیں۔ پھر یہ آوازیں بند ہو گئیں۔ اب صرف کان کی دیواریں لرز رہی تھیں۔

عازمینِ حج

متوجّہ ہوں

خوش نصیب ہے وہ شخص جسے اللہ نے حجازِ مقدّس کے سفر کے لیے منتخب کر لیا۔

اِس سال فریضۂ حج کی ادائیگی پر جانے والے تمام حجّاج کی خدمت میں ضمیر الدّین میموریل آرگنائزیشن ایک ایسا تحفہ پیش کر رہی ہے جو سفرِ حج اور مناسکِ حج کے دوران اُن کے لیے بہترین زادِ راہ ثابت ہو گا۔

جناب شیخ ضمیر الدّین احمد (مرحوم) کی تالیف کردہ کتاب "سفرِ مُبارک" بلا قیمت حاصل کرنے کے لیے فرنیش ویل سوئیٹس۔ کراچی کے کسی بھی پوائنٹ پہ اپنی حج کی دستاویزات دکھا کر یہ کتاب مُفت حاصل کی جا سکتی ہے۔

مجھ سے ملیے

میرا نام ٹونی ہے۔ میں سولہ ماہ پہلے پیدا ہوا۔ چونکہ ممّی اور پاپا کے آفس جانے کے بعد میں اکیلا رہ جاتا ہوں۔ اس لئے پاپا نے میرے لئے ایک آیا رکھ دی ہے۔ اِس کا نام "میڈونا" ہے۔ یہ مادہ چیمپنزی ہے۔ یہ مجھے دُودھ پلاتی ہے، تصویریں دکھاتی ہے۔ مَیں رونے لگوں تو میرا دل بہلاتی ہے۔ میرا ملک امریکہ ساری دُنیا کی سرپرستی کرتا ہے لیکن افسوس سارے امریکہ میں میری دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں: اس چیمپنزی کے سوا!

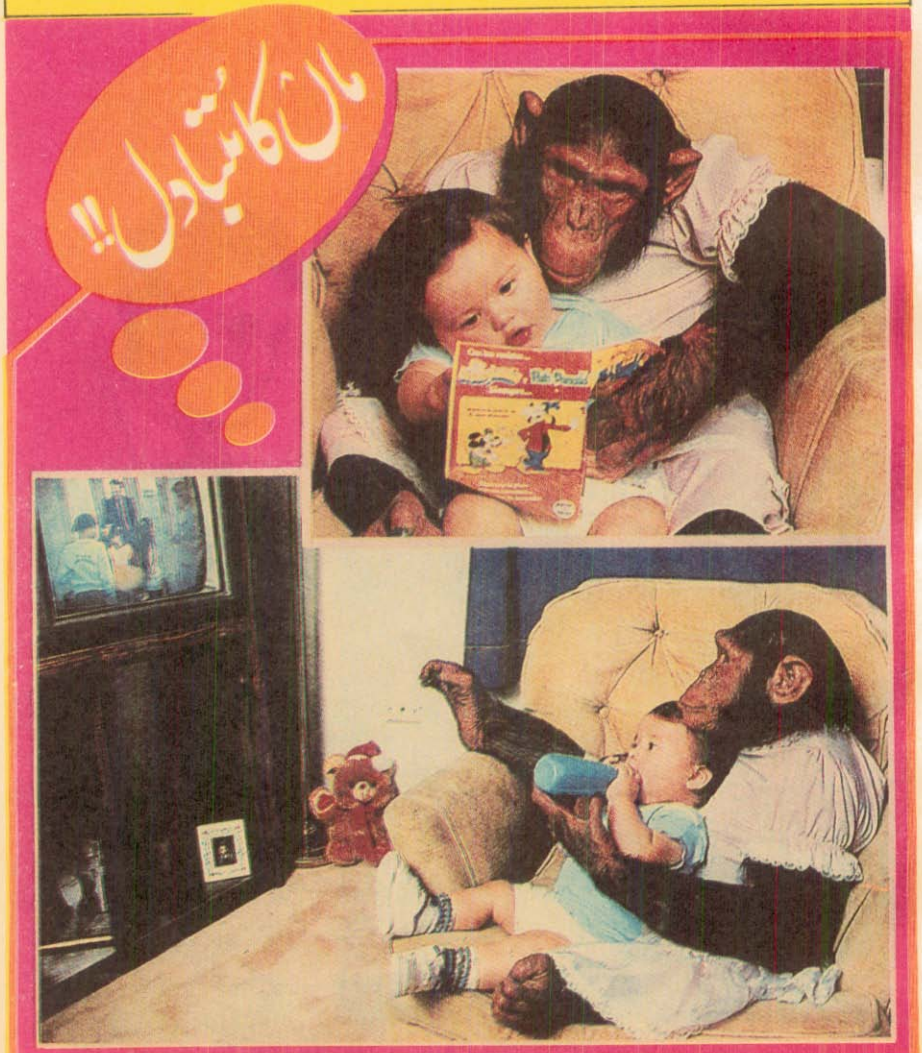

مس فرحین

بلی

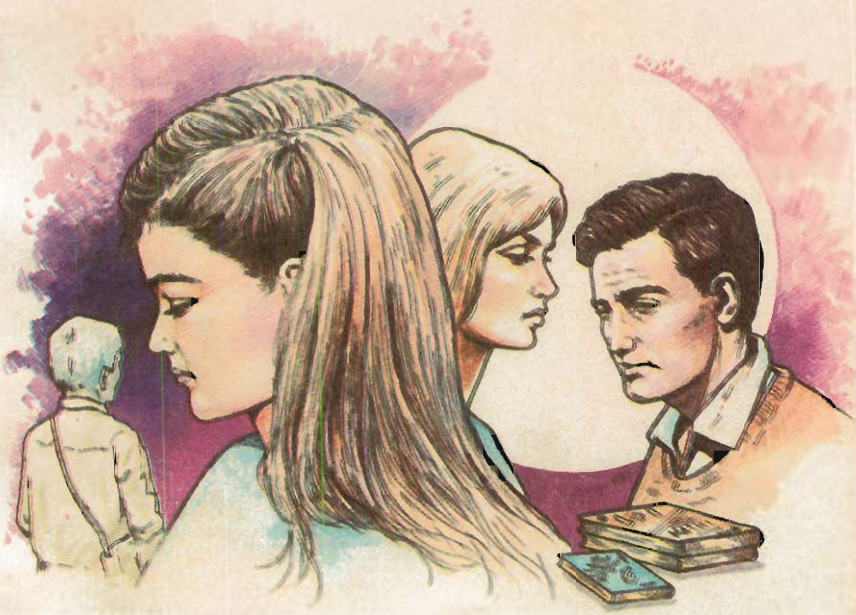

بہار کا خوبصورت موسم اپنی پوری آب و تاب سے میرے گاؤں کے کھیتوں میں چمک رہا تھا۔ سبزے کا نرم گرم قالین پوری زمین پر دور دور تک بچھا ہوا بہت بھلا معلوم ہور رہا تھا۔ لمبے لمبے جھومتے ہوئے درختوں پر لدے پھل اور پھول بھی پرندوں کے ساتھ بہار کے گیت گا رہے تھے۔ میری تمام سہیلیوں نے آج خوب چمک دمک کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ آج بجّو کی گڑیا کی سالگرہ جو تھی۔ مگر میں ان سب سے الگ تھلگ تالاب کے کنارے اپنا گز بھر کا دوپٹہ سنبھالے خاموشی سے بیٹھی انہیں یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ میری سہیلیاں نہ ہوں۔ بات ہی کچھ ایسی ہوئی تھی کہ میں ان سے ناراض ہو گئی۔

میں نے تجو سے کہا کہ میں اس کی گڑیا کی شادی میں گوٹہ لگا دوپٹہ نہیں اوڑھوں گی۔ بس تجو اتنی سی بات پر بگڑ گئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ بلی تو میری گڑیا کی شادی میں آ رہی ہے میت میں نہیں۔ میں تو تیری گڑیا کی میت میں بھی نہیں آؤں گی۔ میں نے ان لوگوں کی طرف سے منہ پھیرتے ہوئے سوچا۔ اگر مجھے چمک دمک کے کپڑے نہیں پسند تو اس میں میرا کیا قصور۔ میں کافی دیر تک وہیں بیٹھی رہی کہ شاید تجو، تارا، نادرہ، بلی مجھے واپس بلا لیں مگر انہوں نے مسلسل مجھے نظر انداز کیا تو میں غصے سے اٹھی اور اپنے گھر کی طرف چل دی۔ میں سوچنے لگی آج اماں سے کہوں گی کہ وہ دال قیمہ پکائے گرم گرم نان کے ساتھ کھاؤں گی۔ اس خیال کے ساتھ ہی میرے منہ میں پانی بھر آیا اور میرے قدم جلدی جلدی گھر کی جانب اٹھنے لگے۔

گھر میں قدم رکھتے ہی میں نے اماں سے اپنی فرمائش بیان کر دی۔

"بلی کی بچی یہ چٹورپن کی عادت تیری نہیں جائے گی۔ ارے قد نکالتی جا رہی ہے مگر عقل وہی چھوٹی کی چھوٹی رہ گئی۔"

اماں نے حسب معمول میرے لمبے قد پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

"اماں پکا دے نا، میرا بڑا جی چاہ رہا ہے" میں نے اماں کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"چل ہٹ مہینے کی آخری تاریخ اور بیگم صاحبہ کی فرمائش تو دیکھو۔ ارے کچھ خبر بھی ہے تجھے، تیرا باپ اور بھائی کتنی مشکلوں سے کماتے ہیں۔ ہاں تجھے کیا خبر ہوگی، تو تو سارا دن آوارہ گردی میں گزار دیتی ہے گھر کے کاموں کی بھی تجھے پرواہ نہیں۔ ایک اپنے بھائی کو دیکھ، اسکول بھی جاتا ہے اور اپنے ابا کا ہاتھ بھی بٹاتا ہے بے چارہ۔"

اماں نے غصے سے گھورتے ہوئے تمام باتیں ایک ہی سانس میں کہہ ڈالیں۔

"اماں مجھے بھی اسکول میں ڈال دے ناں!" میں نے اماں کی تمام باتوں کو نظر انداز کر کے لاکھوں مرتبہ دہرایا ہوا جملہ پھر دہرایا جس کا جواب بھی مجھے ہمیشہ کی طرح معلوم تھا۔

"پاگل ہو گئی ہے کیا؟ لڑکیاں نہیں پڑھتیں۔" اماں نے ہنڈیا میں چمچہ چلاتے ہوئے کہا۔

"کیوں اماں! کیوں نہیں پڑھتیں؟ کیا لڑکیاں انسان نہیں ہوتیں؟" میں نے اماں کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اماں کے پاس ہمیشہ کی طرح اس بات کا جواب نہ تھا انہوں نے مجھے خالی خالی نظروں سے دیکھا اور پیاز کاٹنے میں مصروف ہو گئیں اور میں بھی اماں کے پاس سے اٹھ کر گھر کے کاموں میں لگ گئی مگر میرا ذہن مسلسل سوچتا رہا۔ میں نے ہزار مرتبہ ابا، اماں، بھائی سب سے کہا کہ مجھے اسکول میں ڈال دیں۔ میرا بڑا جی چاہتا کہ میں بھی پڑھوں خوب پڑھوں، ڈاکٹر بنوں۔ مگر ابا، اماں، بھائی سب یہی کہتے کہ لڑکیاں نہیں

پڑھتیں ہیں۔ مگر کیوں؟ اس بات کا جواب مجھے کوئی نہیں دیتا۔

"آج تو میں ابا سے پوچھ کر ہی رہوں گی" ۔ میں نے اپنے لمبے بالوں کی چٹیا کو موڑ کر سر پر جوڑا باندھتے ہوئے سوچا۔

شام کو جب سارے پرندے اپنے اپنے گھروں کی جانب لوٹنے لگے۔ اور اندھیرا آہستہ آہستہ ہمارے گاؤں میں طلوع ہونے لگا تو ابا اور بھائی آپس میں باتیں کرتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ بھائی کو دیکھتے ہی اماں کے چہرے پر مخصوص مسکراہٹ آگئی اور وہ ہمیشہ کی طرح اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولیں۔

"کتنا تھک گیا ہے میرا لال۔" یہ جملہ میرے لئے اماں کبھی نہ کہتیں حالانکہ میں بھائی سے زیادہ کام کرتی۔ مگر میں لڑکی جو تھی۔ "کاش میں لڑکا ہوتی۔" ہمیشہ کی طرح یہ بات میں پھر سوچنے پر مجبور ہو گئی۔ اچانک اماں کی آواز نے مجھے سوچوں کی دنیا سے باہر گھسیٹ لیا۔

"ارے بلی! کیا کھڑی منہ تک رہی ہے، جا جلدی سے ابا اور بھائی کے لئے پانی لے کر آ۔" اماں نے حسب معمول مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

میں جلدی سے پانی نکالنے چلی گئی اور بڑے تسلے میں پانی بھر کے لے آئی۔

"ابا مجھے اسکول میں ڈال دے ناں۔" میں نے ابا کی طرف دیکھتے ہوئے لجاجت سے کہا۔

"ہائیں!" ابا نے پہلے حیرت سے مجھے گھورا۔ پھر تسلے میں ہاتھ دھوتے ہوئے کہا۔

"یہ تجھے کیا ہو جاتا ہے بلی! میں نے تجھ سے ہزار مرتبہ کہا ہے کہ لڑکیاں نہیں پڑھتیں۔"

"مگر کیوں ابا! کیوں؟" میں نے بھی آج پوچھنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

"اس لئے کہ وہ لڑکیاں ہوتی ہیں۔ انہیں گھر میں رہنا پڑتا ہے۔ گھر کے کام کرنے آتے ہیں۔ ان کے پڑھنے لکھنے کا کوئی فائدہ نہیں، انہیں تو اپنے دوسرے گھر جانا ہی پڑتا ہے" بھائی نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"مگر بھائی کیا یہ میرا گھر نہیں ہے۔؟"

"نہیں۔" بھائی نے نفی میں سر ہلایا۔

بھائی کی اس بات پر مجھے بہت غصہ آیا۔ "اللہ کرے بھائی تجھے دوسرے گھر جانا ہو اور میں یہیں رہوں۔" میں نے بھائی کی طرف غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اری پاگل ہو گئی ہے کیا؟ زبان تو دیکھو گز بھر سے زیادہ ہو گئی۔ خبردار جو منہ سے اب ایک لفظ بھی نکلا، چل جا! جا کر کھانا نکال۔" اماں نے ایک زبردست تھپڑ میری کمر پر رسید کرتے ہوئے

کہا۔

میں کھانا نکالنے تو چلی گئی مگر میں نے دل میں یہ تہیہ کر لیا کہ میں اللہ میاں سے دعا مانگوں گی کہ وہ مجھے لڑکا بنا دے۔

چنانچہ اس دن سے میں روزانہ ہر نماز کے بعد گھنٹوں یہ دعا مانگتی۔ "اللہ میاں مجھے لڑکا بنا دے اور بھائی کو لڑکی بنا دے بھائی کو دوسرے گھر میں جانا پڑے بھائی کو پڑھنے کو بھی نہ ملے اور میں بہت پڑھوں ڈاکٹر بنوں۔"

مگر لگتا تھا کہ میری دعائیں اللہ میاں تک پہنچ ہی نہیں رہی تھیں میں روزانہ راتوں کو پریشانی کے عالم میں یہ سوچتی کہ کون سی ایسی صورت ہے کہ جس سے ابا مجھے اسکول میں ڈال دے مگر ہر مرتبہ میرے ذہن میں یہی جواب آتا۔ "لڑکا بننے سے" لیکن اتنے سارے دن ہو گئے اللہ میاں تو میری دعا ہی نہیں سنتے، مجھے خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔ میں نے چارپائی پر کروٹ بدلتے ہوئے سوچا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک بات آئی "کیوں نہ میں خود لڑکا بن جاؤں، سب سے کہوں گی آپ لوگ مجھے اسکول میں نہیں ڈال رہے تھے اس لئے آپ لوگوں کو اللہ میاں نے سزا دی اور مجھے لڑکا بنا دیا۔" یہ سوچ کر میرے چہرے پر مسکراہٹ آگئی اور میں سکون سے سو گئی۔

دوسری صبح میں نے چپکے چپکے بھائی کے کپڑے اپنے کمرے میں چھپا دیئے۔ تھوڑا سا کوئلہ چولہے سے لے کر رکھ لیا۔ ابا کی ٹوپی چھپالی اور اماں کی کپڑے کاٹنے والی قینچی تمام چیزیں چھپا کر میں رات کا بے چینی سے انتظار کرنے لگی۔ جیسے ہی تمام لوگ سو گئے میں نے جلدی جلدی بھائی کے کپڑے پہنے جو مجھے کافی لمبے تھے۔ اس کے بعد میں نے اپنی گز بھر کی چٹیا کاٹ ڈالی جو ہمیشہ سے مجھے ناپسند تھی کٹے ہوئے بالوں کو اخبار میں لپیٹ کر میں نے چارپائی کے نیچے چھپایا۔ اب آخری مرحلہ مونچھیں بنانے کا تھا۔ میں آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی اور جلے ہوئے کوئلے سے بھائی کی طرح ہلکی ہلکی مونچھیں بنانے لگی۔ اس کے بعد میں نے ابا کی ٹوپی سر پر جماتے ہوئے آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔

خوشی سے میرا بُرا حال تھا اب میں بالکل بھائی کا چھوٹا بھائی لگ رہی تھی۔ "اب تو ابا مجھے ضرور اسکول میں ڈالے گا اور اماں میرے لئے روز قیمہ دال پکائے گی۔" میں نے خوشی سے نہال ہوتے ہوئے ناچنا شروع کر دیا اسی اچھل کود میں میرا پاؤں مٹکے پر پڑا اور سارا مٹکا ٹوٹے ہوئے پھل کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اور اس کی زور دار آواز سے سب گھر والے میرے کمرے کی طرف آگئے۔ مجھے دیکھتے ہی سب کی آنکھیں اور منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ حیرانی اور پریشانی کی بات تو تھی میں لڑکا جو بن گئی تھی۔ میں نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا۔

"میں لڑکا بن گئی ہوں۔ تم لوگ مجھے اسکول میں نہیں ڈالتے تھے ناں اس لئے اللہ میاں نے مجھے لڑکا بنا دیا۔ اب تو تُو مجھے اسکول میں ڈالے گا ناں!" میں نے ابا کی چادر پکڑتے ہوئے کہا مگر اماں تو جیسے جنون میں آگئیں ان کے تھپڑوں نے میرا برا حال کر دیا۔

"منحوس، جاہل، ارے اتنے لمبے بالوں کو کاٹ ڈالا۔ آج تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" اماں مجھے مارتی جاتی اور کوستی جاتی۔

آخر میں اماں کی مار سے بے دم ہو گئی اپنے آپ کو اماں سے چھڑا کر ابا سے لپٹ گئی اور چلّا کر بولی۔

"اماں مجھے کیوں کہتی ہو "اللہ میاں سے کہو ناں جس نے مجھے لڑکا بنا دیا۔"

ابا کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے انہوں نے مجھے اپنی پناہ میں لیتے ہوئے اماں سے کہا!

"چھوڑ دے اے بلال کی ماں، چھوڑ دے۔" ابا نے میرے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور بولے!

"بیٹی تو لڑکی ہی ہے لڑکا نہیں، مگر میرے لئے بلال سے زیادہ بڑھ کر ہے۔ مجھے معاف کر دے بیٹی کہ میں نے تجھے اور بلال کو الگ الگ نظروں سے دیکھا تم دونوں تو ایک ہی ڈالی کے پھول ہو۔ اب تو بھی کل سے بھائی کے ساتھ اسکول جائے گی۔"

"ہاں بلی! کل سے تو میرے ساتھ اسکول جائے گی۔" بھائی نے میری طرف مسکراتے ہوئے دیکھا میں نے چور نگاہوں سے اماں کی طرف دیکھا تو اماں روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ مسکرا رہی تھیں۔ اور پھر مجھے یوں لگا جیسے راتوں رات مجھے قارون کا خزانہ مل گیا ہو۔ اسکول جانے کی خوشی میرے لئے قارون کے خزانے سے بڑھ کر تھی۔ میں نے پرنم آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور اللہ کا شکر ادا کیا جس نے میری دعا سن لی تھی۔

مظلوم کی پکار

مظلوم کی پکار سے بچو۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی صاحبِ حق کو اس کے حق سے محروم نہیں کرتا۔ (الحدیث)

مرسلہ ..... عامر، راولپنڈی

فطرت کی دنیا

دُودھ پلانے والے زمینی جانور

شین فاروقی

دودھ پلانے والے حیوانات یعنی Mammals وہ حیوانات ہیں جو انسان سے سب سے زیادہ ملتے جلتے ہیں۔ بلکہ سائنسی نقطہ نظر کے مطابق تو انسان بھی دراصل Mammal ہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کتّوں، بلّیوں، گھوڑوں، چوہوں، چمگادڑوں، کنگاروؤں، وہیل مچھلیوں اور ہم انسانوں میں کون سے پہلو مشترک ہیں؟ سائنس دانوں کے مطابق بنیادی مشترک پہلو یہ ہے کہ Mammlas کے جسموں پر بال ہوتے ہیں۔ اور ان کی کھال کے نیچے چربی کی تہہ ہوتی ہے، جو ان کے جسم کو گرماہٹ فراہم کرتی ہے۔ چڑیوں کی طرح دودھ پلانے والے حیوانات بھی غذا کے ذریعے گرمی حاصل کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سرد مقامات پر آسانی کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دودھ پلانے والے حیوانات قطب شمالی، قطب جنوبی اور اونچے پہاڑوں کے سوا دنیا کے ہر حصّہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قطب شمالی، قطب جنوبی اور اونچے پہاڑوں پر یا تو بہت سردی ہوتی ہے یا پھر وہاں زندہ رہنا ناممکن ہوتا ہے۔

زمین پر اب تک پیدا ہونے والا سب سے بڑا حیوان، دودھ پلانے والے حیوانات ہی کی نسل سے

بطخ کی چونچ والا PLATYPUS تالاب یا جھیل کے کنارے بھٹ بنا کر رہتا ہے۔ وہ اسی بھٹ میں انڈے دیتا ہے۔

ہے۔ یہ Blue Whale ہے۔ اس وہیل کی لمبائی ۳۳ میٹر اور وزن ۱۶۶ ٹن تک ہو سکتا ہے۔

دودھ پلانے والے حیوانات ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ رکھتے ہیں، جس میں ریڑھ کی ہڈی بھی شامل ہے۔ اس باعث یہ حیوانات حجم کے اعتبار سے خاصے بڑھ سکتے ہیں۔ خیال ہے کہ وہیل سمندر میں رہنے کے باعث اتنی بڑی ہوتی ہے، کیونکہ پانی سے بڑھنے کے سلسلے میں اضافی مدد ملتی ہے۔ زمین پر رہنے والا سب سے بڑا حیوان ہاتھی ہے، کا وزن چھ ٹن تک ہو سکتا ہے۔ زمین پر رہنے سب سے طویل القامت حیوان زرافہ ہے، جس لمبائی چھ میٹر تک ہو سکتی ہے۔ یہ دونوں حیوا

میں چھوٹا سا بھائو ہوں
حیوانوں کا خانو ہوں

دودھ پلانے والے حیوانات کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ دودھ پلانے والے حیوانات حجم کے اعتبار سے چھوٹے بھی ہوسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر دودھ پلانے والا سب سے چھوٹا جانور چھچھوندر ہوتی ہے جس کی لمبائی دُم سمیت ساٹھ ملی میٹر ہوتی ہے۔

دودھ پلانے والے حیوانات کی اکثریت بچّے دیتی ہے۔ البتہ ان میں سے کچھ حیوانات انڈے بھی دیتے ہیں۔ ان حیوانات میں سے کچھ کے بچّے پیدا ہوتے ہی چلنے پھرنے لگتے ہیں۔ جیسے بھیڑ کے بچّے۔ البتہ بہت سے دودھ پلانے والے حیوانات کے بچّے بالوں اور بینائی کے بغیر پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے بلّی اور چوہے کے بچّے۔ ان بچّوں کو خاصے

چمگادڑ، جسے ہم رات کا پرندہ بھی کہہ سکتے ہیں

بڑے ہونے تک اپنے ماں باپ کی دیکھ بھال کی ضرورت رہتی ہے۔ کنگرو وغیرہ کے جسم پر ایک تھیلی ہوتی ہے جس میں وہ اپنے بچوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔

انڈے دینے والے Mammals کی دو اقسام ہیں۔ ان دونوں اقسام سے تعلق رکھنے والے حیوانات آسٹریلیا اور نیو گیانا میں پائے جاتے ہیں۔ بطخ کی طرح کی چونچ جیسا منہ اور پاؤں رکھنے والا بال دار Platypus بڑا عجیب و غریب سا حیوان ہے۔ یہ بلوں میں انڈے دیتا ہے۔ اس کے بچے انڈوں سے نکل کر اپنی ماں کے بالوں سے دودھ پیتے ہیں۔ انڈے دینے والا دوسرا Mammal ایک چیونٹی کھانے والا حیوان ہے۔ یہ حیوان اپنے انڈے اپنے جسم کے ساتھ موجود تھیلی میں رکھتا

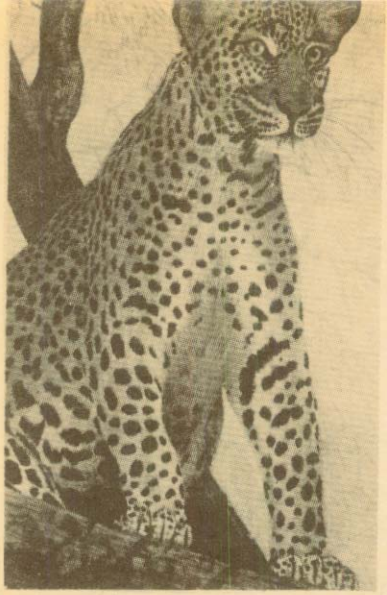

تیندوا درخت پر بیٹھ کر شکار کا انتظار کر رہا ہے

ہے۔ اس کے بچے ایسی تھیلی میں انڈوں سے نکلتے ہیں۔

دودھ دینے والے حیوانات کی ایک قسم Mars-upials یعنی تھیلی دار حیوانات پر مشتمل ہے۔ یہ تھیلی والے حیوانات بچے دیتے ہیں۔ مگر ان کے یہ بچے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ کافی عرصے تک اپنی ماں کے جسم کے ساتھ موجود تھیلی میں رینگتے رہتے ہیں۔ اسی تھیلی میں رہ کر وہ دودھ پیتے ہیں۔ جب یہ کافی بڑے ہو جاتے ہیں تو پھر تھیلی سے باہر نکل آتے ہیں۔ تاہم کافی بڑے ہو کر بھی خطرے کے وقت یہ اسی تھیلی میں پناہ لیتے ہیں۔

تھیلی والے ان حیوانات کی اکثریت آسٹریلیا میں رہتی ہے۔ اس براعظم میں یہ اہم ترین دودھ پلانیوالے حیوانات شمار ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی طرح دوسرے حیوانات سمندر پار کر کے آسٹریلیا آنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ تھیلی والے حیوانات کی کئی اقسام ہیں۔ جن میں بھالو، بھیڑیا، چوہا وغیرہ شامل ہیں۔ تاہم ان میں سب سے مشہور نام کنگرو کا ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ کنگرو آسٹریلیا میں پائے جاتے ہیں۔ یہ درختوں اور پودوں وغیرہ کی پتیوں کو غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

بہت سے دودھ پلانے والے حیوانات اپنی غذا حاصل کرنے کے لئے دوسرے حیوانات کا شکار کرتے ہیں۔ ان میں خطرناک ترین حیوانات بھیڑیئے، بھالو، چیتے، بھگیرے وغیرہ شامل ہیں۔ یہ اپنے علاقوں کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ یہ اپنے شکار کو پکڑ کر بڑی تیزی کے ساتھ اپنے نوکیلے پنجوں اور دانتوں سے چیر پھاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ ان حیوانات میں سے کئی حیوانات خاندان کی شکل میں رہتے ہیں اور گروہ کی شکل میں شکار کرتے ہیں۔ یہ خطرناک حیوانات اپنے سے کمزور حیوانات کا شکار کرتے ہیں۔

ان گوشت خور حیوانات کی کئی اقسام ہیں۔ جنگلی بلی کی نسل میں شیر، بھگیرے وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ جنگلی کتے کی نسل میں بھیڑیئے اور لومڑی کا شمار ہوتا ہے۔ بھالو ایک بڑی جسامت رکھنے والا حیوان ہے۔ جو عام طور پر شکار کھیلتا ہے۔ البتہ قطب شمالی میں رہنے والے بھالو وہیل مچھلی کا شکار

کرتے ہیں۔ اود بلاؤ پانی میں تیر سکتا ہے۔ یہ جھیلوں اور سمندر میں رہتا۔ مچھلیاں اس کا عام شکار ہیں۔ لکڑبگا کتے جیسی نسل کا حیوان ہے۔ یہ اکثر مردہ جانوروں کو غذا کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ چھوٹے گوشت دار حیوانات میں نیولے کا نام نمایاں ہے۔ نیولے کو سانپ کا دشمن سمجھا جاتا ہے۔

اکثر گوشت خود دودھ پلانے والے حیوانات کو دوسرے حیوانات سے جان کا خطرہ نہیں ہوتا۔ اس لئے انہیں حفاظت کے کسی خاص نظام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ امریکہ میں پائے جانے والے ایک بدبو دار جانور یعنی Skumk پر اگر کوئی دوسرا جانور حملہ کرتا ہے تو وہ اپنے جسم سے اتنی شدید بدبو خارج کرتا ہے کہ اس کے دشمن کو وہاں سے بھاگنا ہی پڑتا ہے۔ اسی طرح ایک بڑا نیولا جو کہ سرد علاقوں میں پایا جاتا ہے اپنے دشمن سے جان بچانے کے لئے اپنا رنگ تبدیل کر کے برف کی طرح سفید ہو جاتا ہے اور یوں اس کے اور برف کے درمیان تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کچھ گوشت خور دودھ پلانے والے حیوانات گھاس بھی کھاتے ہیں۔ مثال کے طور پر چین میں پایا جانے والا جانور پانڈا پیڑوں کے پتے کھاتا ہے۔

چمگادڑ رات کے وقت شکار کھیلتا ہے۔ جبکہ دن کے وقت یہ کسی درخت کی ٹہنی وغیرہ سے لٹک کر آرام کرتا ہے۔ یہ جانور کیڑے مکوڑوں کو غذا کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ اس کو اندھیرے میں دیکھنے کی غیر معمولی صلاحیت حاصل ہوتی ہے۔ چمگادڑ دودھ پلانے والا واحد حیوان ہے جو اڑ سکتا ہے۔

جب تک کنگارو کا بچہ کافی بڑا نہیں ہو جاتا وہ اسے اپنی تھیلی میں گھسائے رکھتی ہے

سانپ اور نیولے کی جنگ دیکھو

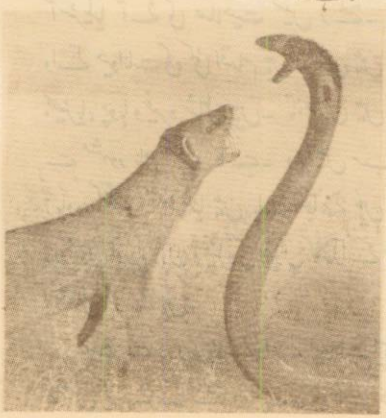

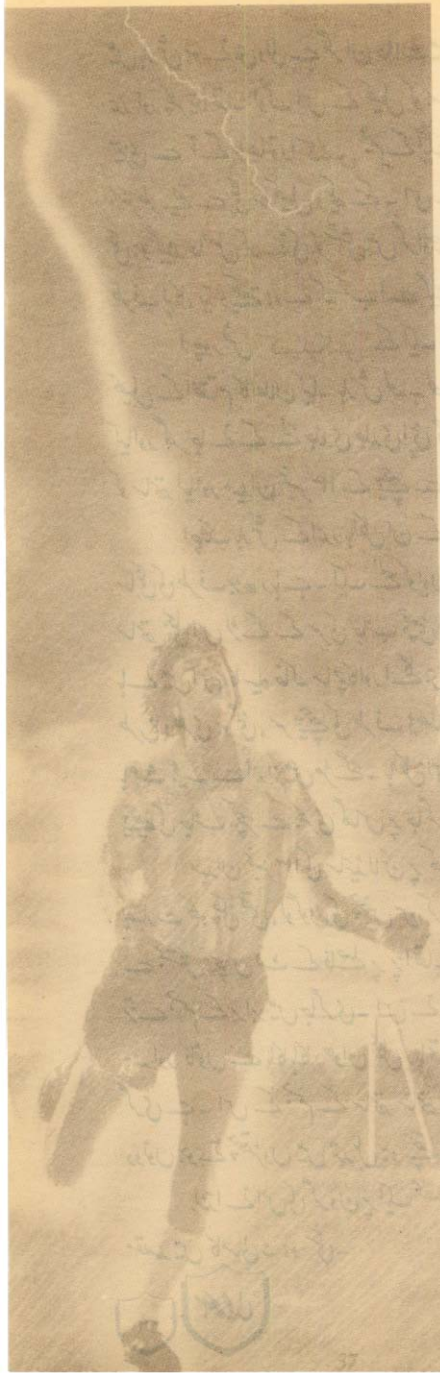

حادثہ

پیٹر مائیکل مور

ترجمہ۔ منیر احمد راشد

اس بچے کی سچّی کہانی جس پر آسمانی بجلی گر پڑی

یہ ۷ اپریل ۱۹۸۴ء کا ذکر ہے۔ آرلنگٹن ٹیکساس اسپورٹ کمپلیکس میں راکٹس اور فورسز کی ٹیموں کے درمیان میدان نمبر ۱۳ میں کھیلا جانے والا فٹ بال میچ زوروں پر تھا۔ دونوں ٹیموں نے تین تین گول کئے تھے البتہ راکٹس زیادہ اچھے کھیل کا مظاہرہ کر رہی تھی اور کھیل زیادہ تر فورسز کے ہاف میں ہو رہا تھا۔

آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہر طرف ایک ہلکا ہلکا اندھیرا سا پھیلا ہوا تھا۔ لگتا تھا کوئی دم

میں بارش ہونے ہی والی ہے مگر ان حالات میں بھی کھیل جاری تھا۔ نکی، فورسز کا ایک دفاعی کھلاڑی، بہت نڈر اور پھرتیلا تھا۔ لوگ اس کے کھیل کو بہت پسند کرتے تھے۔ جونہی وہ گیند کو حاصل کرنے کے لئے تیزی سے آگے بڑھا تو راکٹس ٹیم کے ایک کھلاڑی کی والدہ لِنڈا کا ساگرینڈا نے گردن آگے کو نکالی تاکہ بہتر طریقے سے نکی کا کھیل دیکھ سکے۔ اسی لمحے بادل زور سے گرجے اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ نکی جو گیند حاصل کرنے کی کوشش میں گراؤنڈ پر گر چکا تھا، ہاتھوں اور گھٹنوں کی مدد سے میدان کے وسط کی طرف لپکا، یہ دیکھتے ہوئے کہ کب اسے گیند دوبارہ حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔

اسپورٹس کمپلیکس کے ایک دوسرے میدان میں ریفری نے سیٹی بجا کر لڑکیوں کے ایک کھیل کے اختتام کا اعلان کیا۔ بارش لحہ بہ لحہ تیز ہوتی جارہی تھی لوگوں نے بوکھلاہٹ میں اپنے بچوں کو اکٹھا کیا اور گھر جانے کے لئے جلدی جلدی اپنی گاڑیوں کی جانب جانے لگے۔ ایوِل نے اپنی بیٹی اور اس کی سہیلی کو ساتھ لیا اور میدان نمبر ۱۳ کے پیچھے سے ہوتی ہوئی تیزی سے اپنی کار کی طرف بڑھی۔

اچانک بارش کے اندر بالکل ان کے سامنے بجلی کا ایک کوندا سا لپکا۔ اورل نے دیکھا کہ ایک سانپ سا نکی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ایک لمحے کو یوں لگا جیسے وہ ہوا میں معلق ہو گیا ہو۔ پھر ایک زبردست گرج کے ساتھ بجلی اس لڑکے کے سر کی جانب جھپٹی اور ایوِل نے دیکھا کہ لڑکا تیز نیلگوں روشنی میں نہا گیا، روشن ہالے میں اس کا سیاہ خاکہ سا چمکا اور اگلے ہی لمحے وہ فضا میں بارہ فٹ کی بلندی تک اچھلا، اس کی کمر کمان کی طرح دھری ہوگئی، سر پیچھے کی طرف ڈھلک گیا، ہاتھ اور پاؤں بجلی کے مفلوج کر دینے والے جھٹکے کے باعث عجیب سے انداز میں مڑ گئے۔ بالکل اسی لمحے ایوِل اور لڑکیاں ہوا کی ایک غیر مرئی دیوار سے ٹکرائیں اور پیچھے کی جانب کیچڑ سے بھری گھاس پر جا گریں۔

میدان نمبر ۱۳ کی سائیڈ لائن پر کھڑی ہوئی لِنڈا کا ساگرینڈا جو بجلی کی چمک سے عارضی طور پر اپنی بصارت کھو چکی تھی، لوگوں کی چیخیں سن کر چونکی۔ تب اس نے زمین پر گرے ہوئے لڑکے کو دیکھا جو اس سے بمشکل پچاس فٹ کے فاصلے پر پڑا تھا۔ لِنڈا تیزی سے اس کی طرف دوڑی اور پہلو کے بل اس مڑے تڑے جسم کے برابر میں جا گری۔ اس نے تیزی سے لڑکے کے جسم کو سیدھا کیا جو اب اکڑ چکا تھا۔ اس کے منہ اور کانوں سے ہلکا ہلکا دھواں نکل رہا تھا۔ سر پر ایک بھدے سے نشان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بجلی یہاں گری ہے۔ اس کے جسم کے ساتھ ساتھ بائیں طرف زمین پر جلنے کے نشانات کافی واضح تھے۔ اس کے دونوں جوتے چیتھڑوں میں تبدیل ہو چکے تھے۔

لِنڈا نے اس کی گردن پر ایک مخصوص نبض کی حرکت محسوس کرنے کی کوشش کی۔ مگر اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہو سکی۔

زخمی لڑکے کی والدہ بونی شنیڈر، نے جب اسے دیکھا تو بڑے کرب سے چلائی۔

"مر گیا..... یہ..... یہ تو مر گیا۔" اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

لیکن لنڈا یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھی۔ اس نے سوچا "بجلی کے زبردست دھچکے نے بچے کی حرکتِ قلب بند کر دی ہے۔ مجھے یہ حرکت بحال کرنے کے لئے ضرور کوشش کرنی چاہئے۔ مجھے اس بے چارے کو ایک اسٹارٹ تو ضرور ہی دینا چاہئے۔"

تیز برستی ہوئی بارش میں، دونوں ہاتھوں سے قوت کے ساتھ اس لڑکے کا سینہ دباتے ہوئے لِنڈا نے پکار کر کہا۔ "براہ کرم، کوئی صاحب منہ سے ہوا بھر سکتے ہیں"۔ اس کی پکار پر والدین کے ہجوم کو، جو وہاں زخمی لڑکے کو دیکھنے کے لئے جمع ہو گیا تھا، ایک طرف ہٹاتے ہوئے، کیچڑ میں لتھڑی ہوئی ایک خاتون تیزی سے آگے بڑھی۔ اس نے بتایا کہ وہ تربیت یافتہ نرس ہے۔ اور پھر وہ زخمی لڑکے کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ یہ **ایوّل** تھی۔ اس نے لِنڈا کے اشاروں پر نکی کے منہ کے ذریعے ہوا بھرنا شروع کیا۔ جونہی اس نے نکی کے منہ سے منہ ملایا۔ خون اور جلے ہوئے گوشت کا ذائقہ اس کے حلق میں اتر گیا۔ منٹ کے بعد انہوں نے ذرا دیر کے لئے وقفہ کیا تاکہ لڑکے کی ران پر نبض کی حرکت محسوس کر سکیں۔ لیکن حرکت نہیں تھی۔

پاس کھڑے ہوئے لوگوں نے ان دونوں خواتین پر چھتریاں تان رکھی تھیں تاکہ انہیں کام کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ چند ایک نے اخلاقاً انہیں ذرا دیر آرام کرنے اور خود ان کی جگہ کام کرنے کی پیشکش کی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ ایسے وقت میں جب کہ لڑکے کی زندگی بچ جانے کی ایک فیصد بھی امید تھی۔ وہ اسے کسی دوسرے کے ہاتھوں میں دینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ تاہم دونوں خواتین لا شعوری طور پر ایک دوسرے پر اعتماد کرنے پر مجبور تھیں کیونکہ اکتیس سالہ لِنڈا ایک ایکسرے ٹیکنالوجسٹ تھی اور چھتیس سالہ **ایوّل** دو ماہ بعد میڈیکل اسکول سے گریجویشن کرنے والی تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ نکی کی آنکھوں کی پتلیوں میں ذرا حرکت ہوئی ہے۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ خون کو لڑکے کے دماغ کی طرف دھکیل رہی ہیں اور غالباً وہ شروع سے ایسا ہی کر رہی تھیں۔

"شاید اب یہ بچ جائے!" **ایوّل** نے پر امید انداز میں سوچا۔

اچانک نکی نے قے کر دی۔ لِنڈا نے جلدی سے اپنی انگلیوں کے ساتھ اس کے منہ کو صاف کر دیا۔ مگر پھر بھی جب اس نے نکی کے منہ میں ہوا بھرنے کے لئے اپنا منہ اس کے منہ پر رکھا تو خاصا رقیق مادہ اس کے اپنے منہ میں چلا آیا۔ اس کے باوجود بغیر کسی کراہت کے اس نے اپنا کام جاری رکھا۔ ایک کھڑکھڑاتی ہوئی سی آواز لڑکے کے سینے سے بر آمد ہو رہی تھی۔ یقیناً الٹی کے ذریعے خارج ہونے والا رقیق

مادہ، تھوڑا بہت واپس لڑکے کے پھیپھڑوں میں چلا گیا تھا۔ اس صورت حال سے لنڈا کچھ گھبرا سی گئی اور کپکپاتی ہوئی آواز میں **ایورل** سے کہنے لگی۔

"یوں تو ہم اسے ہلاک کر دیں گے۔"

دونوں کو احساس تھا کہ اس سیال مادے کا پھیپھڑوں میں پہنچنا، نمونیہ کا باعث بن سکتا تھا۔ مگر اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ لہٰذا جب **ایورل** نے کہا کہ ہمیں اپنا کام جاری رکھنا چاہئے تو لنڈا صرف گردن ہلا کر رہ گئی۔ اور برابر کام میں لگی رہی کیوں کہ لڑکے کے دماغ کو تو ہر قیمت پر قوت فراہم کرنی ہی تھی۔

دس منٹ کے بعد، جب ابھی لڑکے کی نبض نے کوئی حرکت بھی نہ کی تھی، آگ بجھانے والا عملہ اور ڈاکٹر حضرات سانس بحال کرنے والے آلات کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ ان کے آتے ہی لنڈا ایک طرف ہٹ گئی۔ اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ہجوم کی طرف آئی۔ اس کے چلنے کے انداز سے مایوسی کا اظہار ہو رہا تھا۔ چہرے پر کرب کی پرچھائیاں تھیں اور پلکیں نم آلود، جیسے کسی بھی لمحے وہ رو دے گی۔ وہ اپنے خاوند کے پاس پہنچ کر لڑکھڑائی اور گھٹنوں کے بل زمین پر ٹک گئی جیسے ٹانگوں نے اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا ہو۔ اس نے بے بسی سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور یک دم سسک پڑی۔ جھنجھلا کر اپنی رانوں پر مکے مارنے لگی۔ جیسے احتجاج کر رہی ہو۔ بولی۔

"میں نے بہت کوشش کی..... میں جانتی ہوں میں نے پوری کوشش کی۔" مگر شدت جذبات سے اس کی آواز رندھ گئی۔ الفاظ حلق میں اٹک سے گئے۔ اس کا خاوند آگے بڑھا اور تسلی دینے کے انداز میں اس کا کندھا تھپتھپایا۔

لنڈا بالکل مایوس ہو چکی تھی۔ مگر ایسا نہیں تھا کہ اس کی شاندار جدوجہد بے کار چلی گئی تھی۔ بلکہ جب نکی ایمبولینس میں سوار تھا تو ڈاکٹروں نے اس کی نبض کی حرکت کو محسوس کر لیا تھا۔ حالاں کہ وہ بہت آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ لیکن ایسے میں یہ بھی بہت تھا۔ پھر نکی کی نبض کی رفتار بتدریج بہتر ہونے لگی۔ جب یہ لوگ کمیونٹی ہسپتال پہنچے تو طبی آلات نے بتایا کہ اب دل کی دھڑکن معمول پر آ گئی ہے۔

ایمرجنسی وارڈ کے باہر **ایورل** اور نکی کی والدہ بونی شنیڈر موجود تھیں۔ نکی کی طبیعت کی بہتری کی خبر نے **ایورل** کے بدن پر ایک ہلکی سی کپکپی طاری کر دی تھی جیسا کہ عموماً بے انتہا خوشی ملنے پر ہوتی ہے۔ بونی شنیڈر کی حالت اس سے بھی زیادہ قابلِ دید تھی۔ خوشی سے اس کارواں رواں ناچ رہا تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا، آخر اس کا لختِ جگر موت کے منہ سے واپس لوٹ رہا تھا۔ وہ بے خود ہو کر **ایورل** سے لپٹ گئی اور بے ربط سے الفاظ میں اس کا شکریہ ادا کرنے لگی۔ **ایورل** نے بھی اسے مبارکباد دی۔

نکی کو "کوما" کی حالت میں آکسیجن میں رکھا گیا اب اسے ڈلاس کے پارک لینڈ میموریل ہسپتال میں منتقل کر دیا تھا۔ ڈاکٹروں کے لئے پہلا موقع تھا کہ ان کے پاس کوئی ایسا مریض آیا تھا جو براہِ راست آسمانی بجلی کا شکار ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے مریض کی والدہ کو کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں دیا تھا۔ ان کے خیال میں یہ شاک دو لاکھ ایمپیئر تک کے کرنٹ کا تھا۔ جس کی حدت تقریباً پندرہ ہزار ڈگری فارن ہائیٹ کے لگ بھگ بنتی ہے۔

نیورو سرجن سٹنلے کا خیال تھا کہ چونکہ کرنٹ لگنے کے وقت نکی بارش میں بھیگا ہوا تھا۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ بدن پر موجود پانی کے پردے نے کرنٹ کی زیادہ تر قوت کو زمین کی طرف منتقل کر دیا ہو۔ اس طرح نکی مکمل طور پر جھلس جانے سے بچ گیا۔ حالاں کہ اس شاک سے اس کے پھیپھڑے بھی متاثر ہوئے تھے مگر زیادہ تر اثر دماغ پر ہوا تھا۔ ایک معائنے کے دوران یہ بھی پتا چلایا گیا کہ نکی کے دماغ کے اس حصے میں، جو کہ اعضاء کی حرکات کو کنٹرول کرتا ہے، بہت گہرائی میں خون کا ایک لوتھڑا سا جم گیا ہے۔ اور اس کے ارد گرد کی جگہ پر سوجن آ گئی ہے۔ اس کی وجہ ڈاکٹر نے یہ بتائی کہ دماغ کے زخمی حصے کے کچھ خلیے تباہ اور کچھ بالکل بے حس و حرکت ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹروں کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ زیادہ سے زیادہ وقت گزارا جائے تاکہ زخم کا خود بخود ٹھیک ہونا ممکن بن سکے۔

نرسیں نکی کے جلے ہوئے حصوں کی مرہم پٹی بھی کر رہی تھیں اور متواتر اس بات کے لئے بھی کوشاں تھیں کہ نکی کے کمزور اور غلیظ مادے سے بھرے ہوئے پھیپھڑوں کو زیادہ سے زیادہ آکسیجن فراہم کر کے ان کی کمزوری کی تلافی کر سکیں۔ تاکہ دماغ کی طرف خون کا بہاؤ زیادہ بہتر ہو سکے۔

نکی کی والدہ بونی شنیڈر دن رات اپنے بیٹے کی تیمار داری میں لگی رہتی وہ مسلسل اس سے باتیں کرتی۔ کبھی اس کی پسندیدہ موسیقی کے ٹیپ بجاتی رہتی حالاں کہ نکی ایک مستقل بے ہوشی کے عالم میں تھا۔ اس کی مامتا تڑپ تڑپ کر رب کے حضور دعا کرتی۔ "یا اللہ۔ میرے بیٹے کو ہوش میں لے آ۔ اسے زندگی عطا کر، میرے مالک، اسے صحت عطا کر۔"

ماں کی دعائیں قبول ہوئیں اور آہستہ آہستہ نکی موت سے جنگ کرتا اور اس کو پیچھے کی جانب دھکیلتا ہوا زندگی کی سرحد کی طرف بڑھنے لگا۔ دماغ میں جما ہوا خون دھیرے دھیرے پگھل رہا تھا۔ سوجن اترتی جا رہی تھی اور پھیپھڑے صاف ہوتے جا رہے تھے۔ ساتویں دن ڈاکٹر سٹنلے کی ہدایت پر نکی نے بہت آہستہ سے، کمزور سے انداز میں اپنے سیدھے ہاتھ کی انگلیوں کو جنبش دی۔ اور انتہائی مختصر وقفوں کے لئے اس کی آنکھیں کھلتی اور بند ہوتی رہیں۔ جیسے وہ بے شعوری کے عالم سے شعور کی حدوں میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہو۔ اور آنکھیں کھول کر باہر کے مناظر کو اپنے اندر جذب کرنا چاہتا ہو۔

مزید پانچ دن گزرنے کے بعد نکی مکمل طور پر بیدار ہو گیا۔ مگر جب اس نے بولنے کی کوشش کی تو اس کی سرگوشیانہ سی آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی۔ بس ہوا کے چند ٹکڑے مختصر وقفوں سے اس کے حلق سے بر آمد ہوئے۔ چند بے معنی سی، گڑ گڑاہٹ کی آوازیں۔ اس نے کینو کا رس پینے کی کوشش کی تو وہ بھی تھوڑا سامنہ میں اور تھوڑا اس کی ٹھوڑی سے بہہ کر گردن تک چلا آیا۔ وہ بالکل ایک نوزائیدہ بچے کی طرح بے بس تھا۔ جو اپنی مرضی سے نہ کھا سکتا ہے۔ نہ پی .... جو فقط دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔

بعد کے دنوں میں ڈاکٹروں نے جب اسے واول ساؤنڈز اور سادہ الفاظ بولنے سکھانے چاہے تو ان پر یہ انکشاف ہوا کہ نکی خاصی حد تک اپنی قوت سماعت بھی کھو چکا ہے۔ انہوں نے نکی کے بازوؤں اور ٹانگوں کو حرکت دی تاکہ اٹھنے بیٹھنے اور لیٹنے کا عمل اس کی یادداشت میں تازہ ہو سکے۔ اسے یاد آسکے کہ کس طرح کھانا کھاتے ہیں۔ کس طرح کوئی شے کھانے پینے کے لئے منہ کی طرف لاتے ہیں۔ نکی کا بایاں حصہ بالکل سن تھا جب کہ دائیں حصے میں بھی اعضاء کی حرکت میں کوئی تناسب نہ تھا۔ عجیب کسمپرسی کی حالت تھی۔ اسے دیکھ کر ماں کا دل کٹ کٹ جاتا۔ وہ بڑے کرب سے ڈاکٹروں کی طرف دیکھتی اور پوچھتی کہ کیا کبھی یہ چلنے کے قابل بھی ہو گا یا یونہی اپاہج رہے گا۔ ایک ڈاکٹر نے اسے حوصلہ دیا اور یقین دلایا کہ ایک نہ ایک دن نکی ضرور اپنے پیروں سے چل کر گھر جائے گا۔ مگر ڈاکٹر کا اپنا لہجہ یقین سے خالی تھا۔

اس حادثے کے تین ہفتے بعد نکی کو ایک اور ادارے میں منتقل کر دیا گیا۔ ڈاکٹر نکی کی بحالی صحت کی حیرت انگیز رفتار پر حیران بھی تھے اور خوش بھی۔ اب محسوس بھی نہیں ہوتا تھا کہ نکی کا دماغ آکسیجن کی کمی کا شکار ہے۔ اسے ہر روز چار گھنٹے تک مختلف ورزشیں کرائی جاتیں۔ اسے ایک بڑی سی گیند پر پیٹ کے بل لٹایا جاتا۔ ڈاکٹر اس کے ٹخنوں کو پکڑے رہتا، اور نکی کو آگے پیچھے، ادھر ادھر حرکت دیتا تاکہ اس میں اپنا توازن برقرار رکھنے کی حس بیدار ہو سکے۔ بیساکھیوں کی مدد سے اسے چلنا سکھایا جاتا۔ اس کی آواز بھی صاف ہوتی جا رہی تھی۔ اور جلد ہی وہ اس قابل ہو گیا کہ اچھی طرح کھا اور پی سکے۔ اب پیتے وقت پانی یا جوس اس کے ہونٹوں کے کناروں سے نہیں بہہ نکلتا تھا۔

میڈیکل ڈائریکٹر ڈاکٹر ولیم پار کرنے نے بتایا "ہم لوگ اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ نکی کے دماغ کے یادداشت اور اعصابی حرکت والے مفلوج حصوں کو دوبارہ تحریک دی جائے تاکہ حادثے کے دوران تباہ ہو جانے والے خلیوں کا نعم البدل پیدا ہو سکے"۔ نکی کے لئے یہ بڑا مشکل کام تھا۔ تجربے کے دوران وہ شدید درد میں مبتلا رہتا۔ جب اس کے زخمی پاؤں پر دباؤ دیا جاتا یا مفلوج پٹھوں کو حرکت دینے کی کوشش کی جاتی تو وہ تڑپ جاتا۔ بے ساختہ اس کی چیخیں نکل جاتیں۔ وہ چلاتا اور کہتا۔ "مجھے ٹھیک نہیں

ہونا۔ چھوڑ دو۔ مجھے ٹھیک نہیں ہونا ہے۔ میری جان نکلی جا رہی ہے۔ پلیز مجھے چھوڑ دو۔ "مگر جیسے جیسے اس کی جسمانی حالت بہتر ہوتی گئی اس کی تکلیف میں کمی آتی گئی اور اس نے بھی مستقبل میں خود کو ایک صحت مند انسان کے طور پر دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ بغیر سہارے کے اٹھنے، بیٹھنے لگا، خود بغیر کسی مدد کے قمیض پہن لیتا۔ حالاں کہ اب بھی خاصی تکلیف ہوتی تھی لیکن وہ کہتا تھا۔ "مجھے ٹھیک ہونا ہے، بالکل صحت مند۔"

علاج کے تیسرے ہفتے میں، اسے ایک پکنک پر لے جایا گیا۔ جہاں بچوں اور ان کے والدین نے نکی کو، جو کہ ایک وہیل چیئر پر بیٹھا تھا، اپنے درمیان دیکھ کر خوشی سے تالیاں بجائیں۔ نکی خاصا کمزور ہو چکا تھا۔ وزن بھی صرف ساٹھ پونڈ رہ گیا تھا اور رنگ بھی زرد۔ لیکن اس کا حوصلہ جوان تھا۔

جس ہفتے نکی کو گھر جانے کی اجازت ملنے والی تھی، وہ ہسپتال میں چاروں ہاتھ پیروں سے چلنے کی کوشش کرتا، یا پھر لوہے کے ایک واکر کی مدد سے چلتا تھا۔ اسی ہفتے اتوار کے دن کا ذکر ہے کہ بونی شنیڈر اپنے بیٹے کو باتھ روم لے گئی اور اسے کہا کہ ضرورت پڑنے پر آواز دے کر اسے بلا لے۔

تھوڑی دیر بعد نکی نے دیوار کا سہارا لے کر اپنے پاؤں پر وزن ڈالا۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے نے خود کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اگر اپنے پیروں پر چلنا ہے تو پھر خود ہی کوشش کرنی ہوگی۔ ورنہ تمام زندگی دوسروں کے محتاج بن کر رہ جاؤ گے۔" قوتِ ارادی سے کام لیتے ہوئے اس نے چلنا شروع کیا دیوار کے سہارے سہارے ...... وہ پہلے دروازے تک آیا، پھر ہال میں سے ہوتا ہوا، انتظار گاہ تک جہاں اس نے اپنی ماں کو دیکھا۔ وہ لڑکھڑا کر چل رہا تھا۔ کسی بھی لمحے گرنے کا امکان تھا۔ مگر اس کے حوصلے نے اسے کھڑا کر رکھا۔ اب نکی نے دیوار کا سہارا بھی چھوڑ دیا تھا۔ ماں نے دیکھا تو خوشی سے بے تاب ہو گئی۔ بازوؤں کو پھیلا کر اس کی طرف دوڑی اور محبت سے اسے اپنے سینے کے ساتھ بھینچ لیا۔ دونوں دیر تک خوشی سے ایک دوسرے سے چمٹے اور چلاتے رہے۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر خوشی کے۔

پیر کی صبح، نکی نے اپنی زخمی پیر پر تین جرابیں چڑھائیں اور ڈگمگاتا ہوا پار کر کے آفس کی طرف چلا۔ اس نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

"اب تو میں گھر پر رہ سکتا ہوں؟" اور ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلا دی۔

ہسپتال میں نکی کا یہ آخری ہفتہ تھا۔ اس پورے ہفتے کے دوران اس نے بغیر کسی دوسرے کی مدد کے خود اپنی ورزشیں کیں۔ جس دن ڈاکٹر پار کر نے اسے گھر جانے کی اجازت دی۔ پیار سے اس کی کمر ٹھونکتے ہوئے کہا۔

"بہت بہادر بچہ ہے۔ کوئی یقین نہیں کر سکتا کہ اتنی کم مدت میں یہ صحت یاب ہو سکے

گا۔"

گھر آنے کے بعد بھی نکی تیزی سے مکمل صحت یابی کی طرف گامزن رہا۔ اسکی والدہ ایک دیواری کیلنڈر پر اس کی ہر نمایاں کامیابی کا حساب رکھ رہی تھی ..... ۱۲ جون ..... کمرے میں دوڑ لگائی ..... ۲۴ جون ..... اپنی موٹر سائیکل پر سوار ہوا ..... ۲۶ جون ..... خود اپنے جوتوں کے تسمے باندھے۔

ستمبر میں اس نے اسکول جانا شروع کر دیا۔ حلاں کہ اس وقت بھی وہ مکمل طور پر صحت مند نہیں تھا۔ اس کا بایاں بازو بے حس تھا۔ کانوں میں سننے کا آلہ لگا ہوا تھا اور بائیں پیر میں لنگ تھا۔ اگرچہ اسے چھٹی جماعت میں ترقی دے دی گئی تھی۔ مگر وہ دو ایک مضامین میں کافی پیچھے رہ گیا تھا اور اس کی لکھائی بھی بہت خراب ہو گئی تھی۔ ہمت سے کام لیتے ہوئے اس نے فٹ بال میں اپنی پرانی مہارت کو بھی آزمانا شروع کیا۔ مگر اس نے دیکھا کہ اس کا دایاں گھرا زخمی پاؤں فٹ بال کو کک لگاتے ہوئے شدید درد کرتا ہے۔ لیکن چند مہینوں میں وہ اس قابل ہو گیا کہ فٹ بال کو زور سے دھکیل سکے۔ جنوری تک اس کا وزن بڑھ کر تہتر پونڈ ہو چکا تھا۔ وہ بآسانی چل پھر سکتا تھا۔ سننے کے آلے کے بغیر گھڑی کی ہلکی ٹک ٹک سن سکتا تھا۔ پڑھائی کے میدان میں بھی اس نے نمایاں ترقی کی تھی۔ ریاضی میں اس نے اے گریڈ حاصل کیا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ موسم سرما کے آخر تک وہ اتنا صحت مند ہو چکا تھا کہ اس نے اسکول کی ٹیم کے ساتھ فٹ بال کی باقاعدہ پریکٹس شروع کر دی۔

بجلی گرنے کے ایک سال کے اندر اندر حیرت انگیز طور پر صحت مند ہونے کے بارے میں کوئی بھی یقین نہیں کر سکتا تھا۔ مگر نکی کو دیکھ کر لگتا تھا کہ جیسے اسے کبھی کوئی ایسا ہولناک حادثہ پیش ہی نہیں آیا۔ نکی کا زندہ بچ جانا ہی کسی معجزے سے کم نہ تھا، اس پر اس کی بحالی صحت کی یہ رفتار!..... نکی کی ماں خوشی سے کہتی ہے، نکی بذات خود ایک معجزہ، بلکہ سلسلہ ہائے معجزات ہے۔

نیکی

نیکی کے کسی کام کو حقیر نہ سمجھ۔ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملے تو یہ بھی نیکی ہے اور اگر اپنے ڈول کا پانی اپنے بھائی کے برتن میں ڈال دے تو یہ بھی نیکی ہے۔ (الحدیث)

مرسلہ ..... عامر۔ راولپنڈی

کِس قدر انسان سے مانُوس ہیں یہ جانور

شعبۂ تحقیق و تلاش ماہنامہ آنکھ مچولی، کراچی

اپنے مہربان مالک کی قبر پر اس کی تصویر کو چومتی ہوئی کتیا کا نام "ڈیانا" ہے جو مالک کی وفات کے بعد ۷ ماہ تک زندہ رہی اور اس عرصے میں ہر روز اپنے مالک کی قبر پر جاتی رہی

ایک جرمن راج ھنس اور اس کو غذا دینے پر مامور ایک صاحب جب بہت دنوں بعد ایک دوسرے سے ملے تو بے اختیار بغلگیر ہو گئے

انگلستان میں رابرٹ برادرز سرکس کا ایک ٹرک جب کیچڑ میں دھنس گیا تو سرکس کے عملے کے ساتھ ہتھنی نے بھی ٹرک نکالنے میں مدد دی،

اپنے بچاؤ کے لیے

کنگ فو سیکھئے

کنگ فو ماسٹر بلیک بیلٹ شاہ عالم سے معلوماتی بات چیت ؛

ساجد سعید

تقریباً پچیّس تیس کے قریب مشکوک آدمی چاروں طرف سے اس کا گھیراؤ کئے ہوئے تھے ان میں سے ہر ایک نے تلوار اور ڈنڈے اٹھا رکھے تھے۔ وہ اکیلا تھا اس کی آنکھیں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔ حملہ کرنے والوں کا دائرہ اس کے گرد تنگ ہو رہا تھا۔ اچانک اس کا جسم بجلی کی تیزی سے گھوما اور وہ حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے بعد کیا ہوا یہ آپ نے اکثر کنگ فو یا جوڈو کراٹے کی فلموں

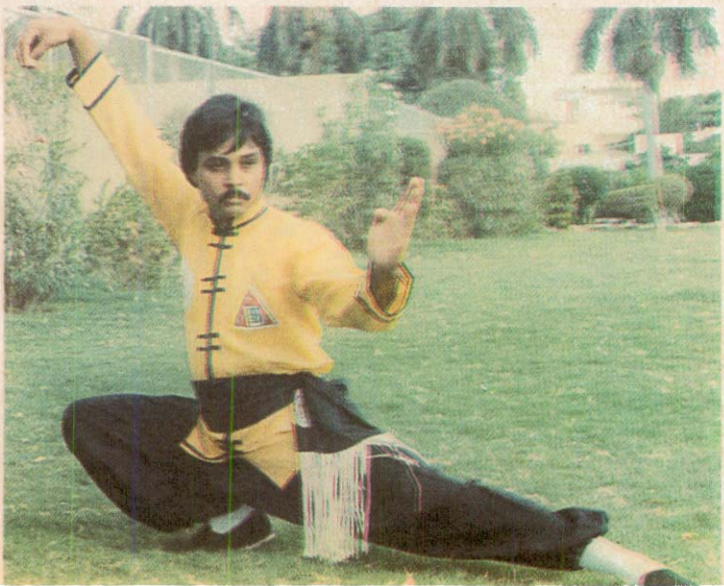

میں دیکھا ہو گا لیکن یہ فلم کا نہیں بالکل سچا واقعہ ہے جو مشہور شن جی کنگ فو ماسٹر اور ریڈ بیلٹ صاحب جمال الدین کے ساتھ برما میں پیش آیا۔ جب انھیں ایک معمولی سے تنازع میں دشمنوں کے ایک گروہ نے گھیر لیا تھا اور انھوں نے تن تنہا ان سب کی اتنی ٹھکائی لگائی کہ ان کے ہوش ٹھکانے آگئے۔ جمال الدین ان دنوں کراچی میں شن جی کنگ فو کی تربیت دے رہے ہیں۔ یہ بنیادی طور پر برما کے رہنے والے ہیں جہاں انھوں نے سخت محنت اور جدوجہد کے اٹھارہ سال بعد یونیورسٹی آف مارشل آرٹس رنگون، برما سے ریڈ بیلٹ حاصل کی۔ جس کے بعد وہ پاکستان آئے اور کنگ فو کے فن کو فروغ دینے کے لئے اسلام آباد میں ایک کالج قائم کیا اور پھر مختلف شہروں سے ہوتے ہوئے کراچی آگئے اور یہاں وہ تقریباً چودہ سال سے شن جی کنگ فو کی ٹریننگ دے رہے ہیں۔ جمال الدین کے ایک ہونہار شاگرد شاہ عالم جو ان کے ساتھ تقریباً آٹھ سال سے ہیں اور پاکستان میں واحد شن جی کنگ فو کے بلیک بیلٹ ہیں۔

آپ نے جوڈو کراٹے کا نام تو یقیناً سنا ہو گا لیکن آپ میں سے بہت کم لوگ ہوں گے جنہیں شن جی کنگ فو کے متعلق معلومات ہوں گی حالانکہ کنگ فو جوڈو کراٹے سے زیادہ ترقی یافتہ فن ہے۔ اس فن کے بارے میں آپ کو نئی معلومات پہنچانے کے لئے ہم نے شاہ عالم سے بات چیت کی

تاکہ آپ کو یہ معلوم ہو سکے کہ کنگ فو دراصل کیا چیز ہے اور کیا ہم بھی اس کو سیکھ سکتے ہیں یا نہیں۔

سوال۔ شاہ عالم صاحب آپ ہمارے پڑھنے والوں کو کچھ کنگ فو کے بارے میں بتایئے کہ بنیادی طور پر یہ کیا ہے؟ اور اس کے لغوی معنی کیا ہیں؟

کس کی مجال ہے جو میری راہ روک لے۔

شاہ عالم۔ شن کنگ فو دراصل چینی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں اپنا راستہ خود بنانا۔ مثال کے طور پر آپ نے دریا کو بہتے ہوئے دیکھا ہو گا کہ وہ بہتے وقت کس طرح راستے میں آنے والی رکاوٹوں کو عبور کرتا ہوا اپنا راستہ خود بناتا ہے اسی طرح ایک کنگ فو کا جاننے والا بھی اپنا راستہ یا دفاع خود متعین کرتا ہے۔ یہ ایک (Worrior) کھیل ہے اس کی ابتدا چین سے ہوئی اس کھیل کے کم سے کم دس اسٹائل ہیں اور ہر اسٹائل کا ایجاد کرنے والا الگ آدمی ہے۔ مثلاً میں جس اسٹائل کو جانتا ہوں اس کا نام شن کنگ فو ہے جسے ماسٹر شن جی نے ایجاد کیا تھا۔ کنگ فو کے دیگر اسٹائلوں کی طرح شن جی کنگ فو کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ یہ کیسے دریافت ہوا کہاوتوں کے مطابق ایک درویش ٹامو موجو ۵۰۰ قبل مسیح چین میں ہندوستان کے راستے بدھ ازم لے کر پہنچا۔ شن جی اسٹائل کا بانی وہی مانا جاتا ہے۔

سوال۔ کنگ فو کے اسٹائلوں کے بارے میں ہمیں کچھ اور بتایئے۔

شاہ عالم۔ دنیا میں اس وقت اس کھیل کے بہت سے اسٹائل ہیں لیکن ان میں دس اسٹائلز زیادہ تر کھیلے جاتے ہیں جیسے شن جی، شاؤلن یکوا وغیرہ، ان

اسٹائلوں میں ہتھیار بھی ہوتے ہیں جیسے ایک تلوار ہے۔ ڈبل تلوار ہے، نیزہ ہوتا ہے جس کے آگے چھرا لگا ہوتا ہے، ن چک ہے بیلٹ کی تبدیلی کے ساتھ ہی یہ ہتھیار بدلتے چلے جاتے ہیں اگر انسان کی پوری عمر بھی بیت جائے تو وہ ان اسٹائلوں کو سیکھ نہیں سکتا۔

سوال۔ کنگ فو کے کتنے بیلٹ ہوتے ہیں؟

شاہ عالم۔ ہمارے شن جی کنگ فو میں پانچ بیلٹ ہوتی ہیں۔ پہلا وائٹ دوسرا یلو، تیسرا گرین، چوتھا بلو اور آخری بلیک بیلٹ ہوتی ہے یہ بیلٹ اصل میں درجے ہوتے ہیں۔ بلیک بیلٹ ملنے کے بعد یہ میں اپنے کھیل کے متعلق بتا رہا ہوں (شاہ عالم نے وضاحت کرنا چاہی) شن جی کے بارے میں جو مجھے معلوم ہے اور پھر بلیک بیلٹ ملنے کے بعد ڈان کا سلسلہ ہو جاتا ہے ڈان تجربے کا نام ہے۔ بلیک بیلٹ حاصل کرنے کے بعد جو شخص اپنے مشاہدے اور تجربے سے اس کھیل کو آگے بڑھاتا ہے مزید نکھارتا ہے اسی مناسبت سے اس کو فرسٹ ڈان، سیکنڈ ڈان، اور پھر دس ڈان کے بعد وہ (Over red belt) ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ڈان کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

سوال۔ بلیک بیلٹ کتنے عرصے میں ملتی ہے؟

شاہ عالم۔ اگر ہم اس کی ریگولر پریکٹس کریں اور ٹائم سے شروع کریں اور ٹائم پر ختم کریں کیونکہ یہ ایک بڑا کھیل ہے اس میں ہاتھوں کے علاوہ ہتھیاروں کا بھی استعمال ہوتا ہے جس کی پریکٹس لازمی ہوتی ہے جب جا کر سات سال کے عرصے میں یہ بلیک بیلٹ حاصل ہوتی ہے۔

سوال۔ آپ نے بلیک بیلٹ کب حاصل کی اور کتنی عمر میں آپ نے اس فن کو سیکھنا شروع کیا؟

شاہ عالم۔ مجھے کنگ فو سیکھتے ہوئے تقریباً آٹھ سال کا عرصہ ہو گیا ہے۔ میں اپنے استاد جمال الدین (ریڈ بیلٹ) کے پاس ان کا پہلا شاگرد ہوں میں نے وائٹ بیلٹ سے شروع کیا اور اب میرے پاس بلیک بیلٹ موجود ہے۔ جو کہ اس وقت پاکستان میں اس فن میں کسی کے پاس موجود نہیں۔

سوال۔ اپنے استاد کے بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گے؟

شاہ عالم۔ میرے استاد جمال الدین بنیادی طور پر برما کے رہنے والے ہیں اور یہاں وہ پاکستان میں تقریباً چودہ سال سے شن جی کنگ فو کی ٹریننگ دے رہے ہیں۔ اسلام آباد آنے کے بعد انہوں نے وہاں ایک کالج قائم کیا اسی دوران وہاں ان کی کم و بیش پچیس، تیس آدمیوں سے لڑائی بھی ہوئی تھی وہاں ان کو مارنے کے لئے سیخ، چمٹا، جلیبی بنانے کا چمچہ وغیرہ استعمال ہوئے تھے ان کا یہ جھگڑا ایک بدمعاش سے ہوا تھا اس لڑائی میں کم و بیش پچیس آدمی زخمی ہوئے تھے۔ اسلام آباد کے بعد وہ کراچی آ گئے جب سے جمال الدین سر یہاں لڑکوں کو سکھا رہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ان کے استاد اور شن جی کنگ فو کے بانی ماسٹر شن جی کا انتقال ہوا ہے۔ پاکستان میں وہ واحد شخصیت ہیں ریڈ

بیلٹ ہیں۔ شن جی کا مطلب ہے ایک آسمان کے نیچے ایک تنہا آدمی۔ بہادر آدمی۔ سر جمال کو ماسٹر شن جی نے اعزاز دیا تھا کہ وہ پاکستان میں اس فن کو فروغ دیں۔

سوال۔ اکثر ہم سنتے ہیں کہ کنگ فو میں قوت ارادی کا کافی عمل دخل ہوتا ہے۔ یہ بات کس حد تک ٹھیک ہے کیونکہ ہم نے دیکھا کہ اس فن کو جاننے والا اپنے سے کئی گناہ آدمی کو با آسانی اٹھا کر پھینک سکتا ہے؟ اور کیا ہر آدمی اس قوت کو اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے؟

شاہ عالم۔ قوت ارادی نام ہے مشق کا۔ روزانہ کسی بھی چیز کی مشق سے آپ اس چیز میں مہارت حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ روزانہ کئی میل دوڑیں تو آپ کے پاؤں ہلکے ہو جائیں گے اور اس طرح آپ تیز بھاگ سکیں گے اور ایک نئی قوت آپ اپنے اندر محسوس کریں گے۔ کنگ فو میں ہر عمر کا انسان چاہے وہ مرد ہو یا عورت یا بچہ اگر وہ روزانہ اس کھیل کی مشق کرتا ہے تو وہ اس قوت کو حاصل کر سکتا ہے۔ ابھی کچھ عرصے پہلے میں سی این این میں ایک پروگرام دیکھ رہا تھا کہ ایک شخص ہاتھ کے اشارے کے ذریعے پینسل کو جس پوزیشن میں چاہے لا سکتا تھا اور یہی قوت ارادی ہے لیکن یہ بہت سخت محنت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ ہائیڈن فیملی کو کون نہیں جانتا یہ چائنیز ہیں اور اس وقت کنگ فو کی دنیا میں سب سے سینئر ہیں یعنی گولڈن بیلٹ۔ اسی کے اوپر ان کی عمر ہے اور وہ

دو انگلیوں کے بل الٹے وقت با آسانی چل سکتے ہیں۔ اور اپنے سامنے بیٹھے شخص کو چھوئے بغیر اپنے ہاتھ کے اشارے سے کئی فٹ دور پھینک سکتے ہیں۔ یہ ایک عقل میں نہ سمانے والی باتیں ہیں لیکن حقیقت ہیں اس لئے یہ قوت وہی لوگ حاصل کر پاتے ہیں جو سخت محنت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیتے ہیں۔

سوال۔ ہم اکثر بروس لی اور جیکی چین کو مختلف فلموں میں مختلف اسٹائلوں میں دیکھتے ہیں یہ کس حد تک حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں ؟

شاہ عالم۔ دراصل اس موضوع پر جو فلمیں بنتی ہیں وہ غیر حقیقی ہوتی ہیں کیونکہ یہ کھیل بہت تباہ کن ہے۔ اگر اس میں ہم کسی کی فائٹ کرا دیں یا تو وہ معذور ہو جاتا ہے یا پھر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ کنگ فو دراصل جانوروں سے مشابہت رکھتا ہے آپ نے اکثر فلموں میں ایگل اور منکی اسٹائل دیکھے ہوں گے کہ کس طرح بندر اپنے پنجوں سے مخالف کو زیر کرتا ہے اس طرح مختلف جانوروں کی حرکتوں کو اسٹائل کی شکل دے کر کنگ فو وجود میں آیا۔

سوال۔ اپنے بچپن کے بارے میں ہمارے قارئین کو کچھ بتائیے۔

شاہ عالم۔ میرا بچپن بھی عام بچوں کے بچپن سے مختلف نہ تھا پہلے ہم کورنگی میں رہتے تھے۔ پڑھائی سے زیادہ شرارتوں پر ہماری توجہ تھی۔ لیکن ذہن سوچتا تھا کہ کچھ کرنا ہے۔ کوئی ایسا انفرادی کام جس میں اپنا بھی اور ملک کا بھی نام روشن ہو۔ مجھے بچپن میں ٹیکنیکل کام سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ لیکن اسے کیا کہئے پھر ذہن کنگ فو سیکھنے کی طرف راغب ہوا ہر ایک کے والدین کی طرح میرے والدین نے بھی اعتدال کا راستہ اختیار کرنے کو کہا۔ شروع شروع میں تو میں بہت تھک جاتا تھا سوچتا تھا چھوڑ دوں لیکن پھر سوچتا جس مقصد کو لیا ہے اس کو آگے بڑھانا ہے کبھی چوٹیں بھی لگتیں یا کوئی تکلیف اٹھانی پڑتی تو میں اسے برداشت کرلیتا۔ اللہ نے مجھے بڑوں کی دعاؤں اور محنت کا صلہ دیا اور مجھے یہاں تک پہنچا دیا۔ اب میری خواہش ہے کہ میں مزید اس گیم کو سیکھوں۔

سوال۔ آپ نے اس فن کو پاکستان میں فروغ دینے کے لئے کیا کیا اقدامات کئے ہیں؟

شاہ عالم۔ پاکستان میں اس فن کے بارے میں کوئی قابل ذکر لٹریچر موجود نہیں۔ چنانچہ دیگر دوسرے کھیلوں جیسے کورین اور جاپانی مارشل آرٹ کی طرح ہم نے سوچا کیوں نہ یہاں چائنیز مارشل آرٹ کو بھی متعارف کرایا جائے چنانچہ ہم نے اس سلسلے میں اسلام آباد، راولپنڈی اور کراچی وغیرہ میں اس کی شاخیں قائم کی ہیں اور کوشش ہم نے یہ کی ہے کہ یہاں سے ایسی مضبوط ٹیم تیار کریں جو بین الاقوامی سطح پر پاکستان کا نام روشن کر سکے۔

سوال۔ تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس کو ہر آدمی سیکھ سکتا ہے۔

شاہ عالم۔ بالکل، اس کھیل کو جوان سے لے کر

ضعیف العمر آدمی تک سیکھ سکتا ہے۔ ہمارے ہاں کچھ لوگوں نے جو تاثر چھوڑ رکھا ہے اینٹیں اور برف کی سلیں توڑنے کا (ذرا مسکراتے ہوئے) یہ صرف جوڈو کراٹے میں ہی ہوتا ہے۔ یہ کنگ فو میں نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایک (Real art) ہے کنگ فو میں تین بار بچا جاتا ہے اور ایک بار حملہ کیا جاتا ہے اور وہ مکمل حملہ تصور کیا جاتا ہے۔

سوال۔ کنگ فو اور جوڈو کراٹے میں بنیادی فرق کیا ہے؟

شاہ عالم۔ کراٹے میں زیادہ تر کک اور پنچ کا استعمال ہوتا ہے جب کہ کنگ فو میں پنچ کے علاوہ ایک انگلی بھی استعمال کی جاسکتی ہے ویسے ہمارے اسٹائل میں پنچ زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ یہ پنچ کراٹے کے پنچ سے مختلف ہوتا ہے یعنی بہت قریب سے استعمال کیا جاتا ہے۔

سوال۔ کنگ فو میں کاتا (Kata) کس اصطلاح میں استعمال ہوتا ہے۔؟

شاہ عالم۔ کاتا دراصل جاپانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں تصوراتی جنگ۔ بغیر کسی حریف کے بالکل اس طرح عمل کرنا ہے جیسے سامنے کوئی حریف موجود ہو۔ آگے پیچھے ہٹنا، جھکنا، اچھلنا غرض وہ تمام ضروری عمل جو حقیقت میں ممکن ہو سکتے ہیں کئے جاتے ہیں۔ اس طریقہ کا مقصد آپ کے ذہن اور جسم کے درمیان ہم آہنگی اور تعلق پیدا کرنا ہوتا ہے اس کو ہم (Mind and body relation) بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایک خیالی جنگ ہوتی ہے جس سے ہم اپنا دفاع کرنا سیکھتے ہیں۔ کنگ فو میں بے شمار کاتے ہوتے ہیں تقریباً تین سو سے لے کر ۶۰۰ تک۔ شن جی اسٹائل میں بلیک بیلٹ تک مکمل ہتھیاروں سمیت ۱۱۰ کاتے ہوتے ہیں۔

سوال۔ یہ زیادہ تر کن ممالک میں کھیلا جاتا ہے؟ اور اس کھیل کے فائدے کیا ہیں؟

شاہ عالم۔ یہ زیادہ تر برما، چین، جاپان، فلپائن، سنگاپور، ہانگ کانگ، پاکستان اور امریکہ وغیرہ میں کھیلا جاتا ہے جہاں تک فائدوں کی بات ہے تو اس کے بے شمار فائدے ہیں۔ ہر بیماری کا علاج دوائی نہیں ہوتی۔ اس کے لئے آپ کو ورزش کرنا ضرور ہوتی ہے۔ کیونکہ پاکستان جیسے ملک میں ہر تیسرا آدمی کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہے۔ اس لحاظ سے اگر انسان تھوڑا وقت نکالے اپنے جسم اور ذہن کو سکون اور طاقت بخشنے کے لئے تو آپ دیکھیں گے کہ جتنا جتنا آپ کھیل کو پاتے جائیں گے آپ اتنا ہی زندگی کے دوسرے معاملات میں (Active) ہوتے چلے جائیں گے اور بہت سی موذی بیماریوں سے بھی دور رہیں گے۔

سوال۔ پاکستان میں اس کھیل کا کیا مستقبل ہے؟ اور یہاں کے بچے اس فن سے کتنی دلچسپی رکھتے ہیں؟ کیا آپ اس کے مستقبل سے مطمئن ہیں

شاہ عالم۔ میں اس بات کا بہت مخالف ہوں کہ ہمارے ہاں بچوں میں وی سی آر کا رجحان بڑھتا چلا جارہا ہے۔ فالتو کھیل بھی ہمارے بچوں کے خاص

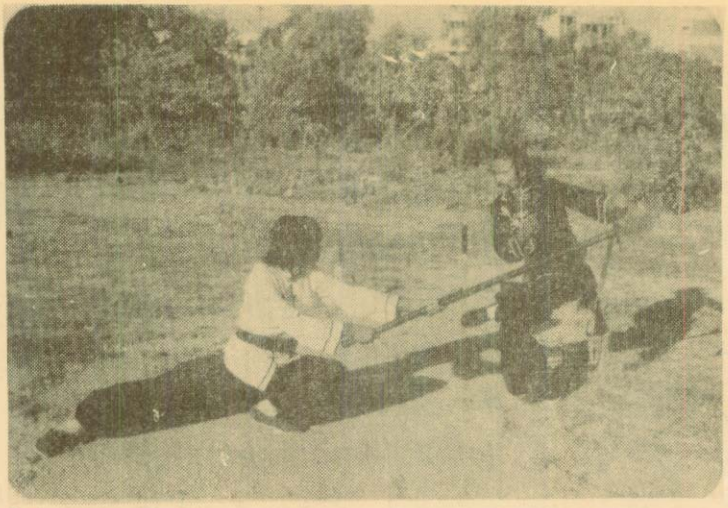

شوق میں شامل ہیں جس کی وجہ سے وہ تعلیمی میدان میں دوسروں سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور جس سے وہ کوئی خاص مقصد حاصل نہیں کر پاتے جہاں تک رہی اس کے مستقبل کی بات حالات کے حساب

ہمہ‘ متعد ہر گھڑی تیار۔ استاد جمال الدین

سے تو ہم مطمئن ہیں بہر حال ہم کوشش کر رہے ہیں کہ اس کو ملکی سطح پر لائیں تاکہ عام لوگ بھی اس فن سے مستفید ہو سکیں۔

سوال۔ اس رسالے کے توسط سے آپ بچوں کو کوئی پیغام دینا پسند کریں گے۔؟

شاہ عالم۔ بچے تو پھول ہوتے ہیں اور پھولوں کی خوشبو دور دور تک جاتی ہے۔ بچے ہر روپ میں اچھے لگتے ہیں۔ بس میں بچوں سے یہی کہنا چاہوں گا کہ وہ اپنے بڑوں کی ہر بات کو غور سے سنیں۔ ٹی وی اور وی سی آر اور ویڈیو وغیرہ جو کہ فضول سرگرمیاں ہیں اس سے یہ پرہیز کریں کیونکہ ان چیزوں سے ان کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ اگر آپ کھیلنا چاہتے ہیں تو ایسے کھیل کھیلئے جس سے آپ جسمانی و ذہنی طور پر مضبوط ہوں یہ آپ کا پورا حق ہے کہ آپ جو کھیل پسند کریں اس کو اپنائیں اور برے دوستوں سے دور رہیں

موٹر + سائیکل = موٹرسائیکل

عنایت علی خان

سواری کیا ہی اچھّی ہے یہ موٹر سائیکل یارو!
بس اک ہلکی سی ٹھوکر چاہئے اسٹارٹ کرنے کو
بھلا پھر کس کا دل چاہے گا گدّی سے اترنے کو
نہیں ہیں اس کے پر لیکن ہوا کے ساتھ اڑتی ہے
سڑک کے موڑ پر کیا خوب یہ اِترا کے مُڑتی ہے
تم اس کے کیریئر پر کچھ بھی رکھ دو یہ نہیں رکتی
سوار اس پر ہوں کتنے ہی کمر اس کی نہیں جھکتی ہے
ہَوا کھاتے ہیں پہیّے اور خود پٹرول پیتی ہے
علاج اپنا کرا کے مستری صاحب سے جیتی ہے
بریک اس کو لگا کر روک لو تم جس جگہ چاہو
اگر ہو راستے میں بھیڑ آہستہ اسے کرلو
ذرا آہستہ ہو کر پھر یہ فرفر چلنے لگتی ہے
جدھر مڑنا ہو بتّی اُس طرف کی جلنے لگتی ہے
کبھی پنکچر جو ہو جائے تو مشکل پیش آتی ہے
پھر اپنے بیٹھنے والے کو یہ دگنا ستاتی ہے
دوکاں تک مستری کی کھینچ کر لیجانا پڑتا ہے
وہ پنکچر پھر کھڑے ہو کر وہیں لگوانا پڑتا ہے
نہیں ہے تھان کی حاجت جہاں چاہو کھڑی کر لو
کرو دن بھر کھڑی یا بس گھڑی یا دو گھڑی کرلو
مگر تالا لگا رکھّو نہ کوئی چور لیجائے
بھلے ہی پوچھ کر ابّو سے کوئی اور لیجائے

جہانِ نو

تحقیق و تحریر۔ سیّد طارق محمود

جدید سائنسی تحقیق اور دلچسپ و حیرت انگیز سائنسی معلومات کا سلسلہ

نوکر ٹیلی فون

اے ۹ نامی یہ شاندار ٹیلی فون بڑے کام کی چیز ہے۔ یہ نہ صرف آنے والی کالوں کو صحیح تاریخ اور وقت کے ساتھ ریکارڈ کرتا ہے بلکہ موصول ہونے والی تمام معلومات منسلک کمپیوٹر کو روانہ کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کافی بنانے کی مشین سے لے کر کمرہ گرم کرنے کے ہیٹر تک بجلی کے مختلف آلات کو ملنے والی ہدایات کے مطابق آن یا آف کر سکتا ہے۔ ہے نا کام کی چیز؟

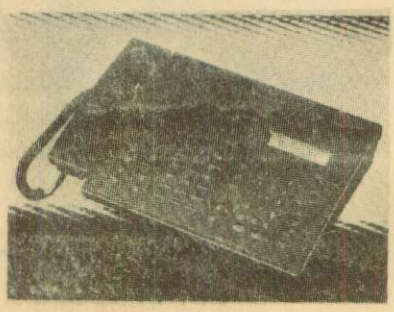

ساتھ رہنے والا چھاپہ خانہ

وقت کے ساتھ ساتھ ہر شے مختصر سے مختصر ہوتی جا رہی ہے۔ اب تو آپ ایک مکمل چھاپہ خانہ بھی چھوٹے سے بریف کیس میں ساتھ لے کر گھوم سکتے ہیں۔ یہ صاحب اپنے بریف کیس میں دنیا کا مختصر ترین چھاپہ خانہ اور چھوٹا سا کمپیوٹر لے کر جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ ایک عام نوٹ بک کے سائز کا یہ چھاپہ خانہ صرف ساڑھے تین کلو

گرام وزنی ہے اور ایک منٹ میں ٹائپ رائٹر کے چھ صفحے تک چھاپ سکتا ہے۔ ہر ڈیڑھ سو صفحوں کی چھپائی کے بعد اس کی بیٹری کو دوبارہ چارج کرنا پڑتا ہے۔

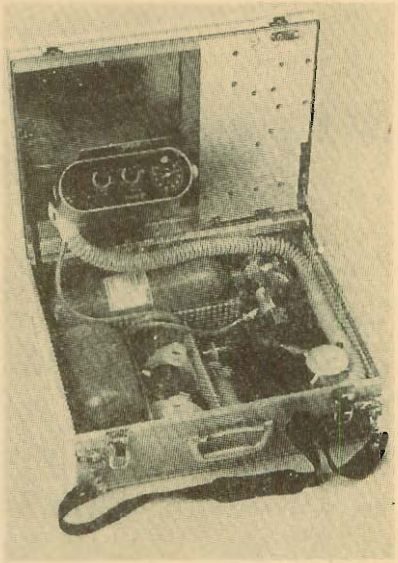

لے سانس بھی آہستہ

یہ چھوٹا سا کیس ایک اچھا خاصا اسپتال ہے۔ اس کے اندر مصنوعی تنفس کا پورا انظام موجود ہے جو کسی حادثے کی صورت میں فوری طور پر استعمال ہو سکتا ہے۔ مکمل طور سے خود کار یہ نظام مریض کو آکسیجن فراہم کرتا ہے اور جیسے ہی مریض کا سانس درست ہوتا ہے۔ فوراً سیٹی بجنے لگتی ہے۔ اس کو چلانے کے لئے بجلی یا بیٹری کی ضرورت بھی نہیں۔ کھیل کے میدانوں میں اور تفریحی مقامات پر اس کیس کی موجودگی بڑی کار آمد ہو سکتی ہے۔

بچوں کا ٹیلی فون

کون کہتا ہے کہ چھوٹے بچے ٹیلی فون استعمال نہیں کر سکتے؟ شہرۂ آفاق سیمنز کمپنی نے بچوں کا یہ مسئلہ بھی حل کر دیا ہے۔ اب اگر امی اپنی سہیلی کے گھر جانے سے پہلے اس فون کو اپنی سہیلی کے گھر کا فون نمبر بتا دیں تو ضرورت پڑنے پر ننھی کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ ننھی کو نمبر ڈائل کرنا نہیں آتا تو کوئی بات نہیں۔ اس فون کے کسی نمبر کو بھی دبائیں اپنے آپ وہی نمبر ڈائل ہونا شروع ہو جائے گا جو امی ٹیلی فون کو یاد کرا گئی ہیں۔ پھر فون کا ریسیور اٹھانے

کی ضرورت بھی نہیں۔ ریسیور اٹھائے بغیر بھی بات کی جاسکتی ہے۔

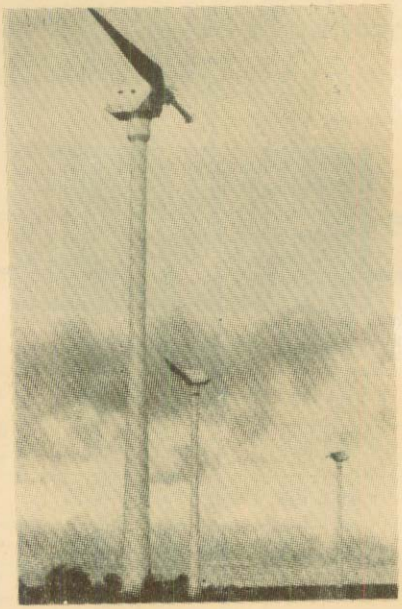

ہوا کی طاقت

سائنسی کلئے کے مطابق توانائی نہ تو پیدا کی جاسکتی ہے اور نہ اسے فنا کیا جاسکتا ہے۔ ہاں البتہ توانائی کی کسی ایک صورت کو کسی دوسری شکل میں تبدیل ضرور کیا جاسکتا ہے۔ یا پھر البرٹ آئن اسٹائن کے نظریئے کے مطابق مادے کو فنا کر کے توانائی میں بدلا جاسکتا ہے۔

ہوا کی قوت بھی توانائی کے حصول کا ایک اہم ذریعہ ہے جس کو مختلف طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے۔ بادبانی کشتی اور پن چکی ہوائی قوت کو میکانیکی توانائی میں تبدیل کرنے کی قدیم مثالیں ہیں۔ جرمنی کے شہر جیڈ بوسن میں بڑی بڑی دیو قامت پنکھڑیوں کی مدد سے ہوائی توانائی کو برقی توانائی میں بڑی کامیابی کے ساتھ تبدیل کیا جارہا ہے۔ ایک پنکھڑی کی لمبائی اٹھائیس میٹر ہے جو تقریباً ایک دس منزلہ عمارت کے برابر ہے۔ اب تک کل تین ہوائی چکیاں تعمیر کی گئی ہیں جو اندازہ سولہ سو گھروں کے لئے بجلی پیدا کر رہی ہیں۔

سائنس دانوں کا خیال ہے کہ ایک پنکھڑی پر مشتمل پنکھا تین یا چار پنکھڑیوں پر مشتمل ان پنکھوں کے مقابلے میں بہت کامیاب ہے جو اب تک پن چکیوں میں استعمال ہوتے رہے ہیں۔ یہ نئے قسم کے پنکھے ہوائی جھکڑوں کو بہت بہتر طور سے برداشت کر سکتے ہیں۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ مکمل طور سے خود کار ایک ہوائی چکی چار ارب واٹ بجلی فی سال پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ زمینی فضا کو چھ ٹن سلفر ڈائی آکسائیڈ، دو ہزار چھ سو کاربن ڈائی آکسائیڈ اور چار ٹن نائٹروجن آکسائیڈ سے آلودہ ہونے سے بچاتی ہے جو توانائی کے دیگر ذرائع استعمال ہونے کی صورت میں بہت ضروری ہے۔

علم و ادب کے فروغ میں جو ادارے "آنکھ مچولی" سے تعاون کر رہے ہیں، ان کی تعداد بے شمار ہے۔ اس صفحے پر ہم صرف اُن بڑے ایجنٹس کی فہرست دے رہے ہیں، جن کی کوششوں سے ماہنامہ آنکھ مچولی پاکستان کے دُور دراز علاقوں تک بڑی تعداد میں پہنچتا ہے۔

آنکھ مچولی کے ایجنٹس

پاکستان بھر میں

محمد حسین برادرز۔ کراچی فون:- ۷۲۳۹۵۵	پاکستان اسٹینڈرڈ بک اسٹال۔ سرگودھا فون:- ۶۲۹۵۱
سلطان نیوز ایجنسی۔ لاہور فون:- ۵۸۲۴۹	کیپٹل نیوز ایجنسی۔ بہاولپور فون:- ۲۹۵۷
ملک تاج محمد صاحب۔ راولپنڈی فون:- ۵۵۴۳۲۱ / ۸۴۷۹۸۶	طاہر نیوز ایجنسی۔ جہلم فون:- ۰۵۹۴۱
مہران نیوز ایجنسی۔ حیدر آباد فون:- ۲۰۱۲۸	چوہدری امانت علی اینڈ سنز۔ رحیم یار خان فون:- ۲۶۲۶
افضل نیوز ایجنسی، چوک یادگار پشاور فون:- ۶۲۵۱۵ / ۶۲۷۵۱	سلمان برادرز۔ نواب شاہ فون:- ۲۴۱۴
اے ایس حامد نیوز پیپر سروس ملتان فون:- ۴۳۳۱۰ / ۴۱۷۵۷	اسلم نیوز ایجنسی۔ اخبار گھر۔ گوجرانوالہ
فیاض بک ڈپو۔ فیصل آباد فون:- ۲۷۴۰۶	اشرف نیوز ایجنسی۔ بالمقابل جی ٹی ایس بس اسٹینڈ۔ اوکاڑہ
سعید بک اسٹال۔ گجرات فون:- ۰۴۳۳۱	مسلم بک ڈپو۔ سرائے عالمگیر

یونائیٹڈ بک لینڈ سکھر فون: ۸۵۷۳۸

رسالہ نہ پہنچنے کی صورت میں یا بروقت نہ ملنے پر مندرجہ ذیل پتے پر خط لکھئے

سرکولیشن مینیجر

"ماہنامہ آنکھ مچولی" ڈی ۱۱۲، نورس روڈ، سائٹ کراچی ۱۶

تیسرا کمرہ

طلعت صدیقی

کھوں! کھوں! کھوں!

مسلسل کھانسی کی یہ آواز اب محلے کے روز مرّہ کے معمولات کا ایک حصہ بن چکی تھی۔ یہ حکیم صاحب کی کھانسی تھی۔ جس کے اب اہل محلّہ عادی ہو چکے تھے۔ البتہ جس رات کھانسی کی آواز نہ آتی تو بے چینی ہوتی اور کسی چیز کی کمی کا احساس ہوتا۔

حکیم صاحب عجیب و غریب اور بے حد پراسرار شخصیت کے مالک تھے۔ نہ کوئی آگے نہ پیچھے۔ محلے کے کسی شخص سے کوئی مطلب نہ رکھتے تھے۔ سنتے تھے کہ موصوف پرانے حکیم ہیں اور اب تک کئی مریضوں کو ان کی آخری آرام گاہ تک پہنچانے میں نمایاں کردار ادا کر چکے ہیں۔ مگر یہ محض اندازے ہی تھے۔

حکیم صاحب صبح سویرے، منہ اندھیرے گھر سے نکلتے، بندوق کی گولی کی طرح، ناک کی سیدھ میں کہیں نکل جاتے پھر رات گئے واپس آتے اور دروازہ اس قدر پھرتی سے بند کرتے جیسے خدشہ ہو کہ ان کے ہمراہ "کوئی اور بھوت" بھی اندر نہ گھس آئے۔ عمر کے بارے میں اندازہ لگانا مشکل تھا بہر حال سو سے کم ہی کے تھے۔ چہرے مہرے سے تقریباً فوت شدہ لگتے تھے۔ پائجامہ ٹخنوں سے کافی اوپر اور گھٹنوں سے تھوڑا نیچے تک ہوتا..... لہٰذا اسے یقین سے پائجامہ کہنا دشوار تھا۔ اٹنگا سا کرتا جو گردشِ زمانہ سے

جالی دار ہو چکا تھا۔ پاؤں میں ہوائی چپل اور چہرے پر بھی ہوائیاں ہی اڑتی نظر آتی تھیں۔ ہاتھ میں ایک بٹوہ دبائے رہتے تھے گویا خزانے کی کنجیاں اسی میں ہوں۔

ابتداء میں لوگوں کو بڑا تجسس تھا کہ معلوم کریں کہ یہ حضرت آسمان سے ٹپکے ہیں یا زمین سے اُگے ہیں؟ کہاں سے آئے اور کہاں جاتے ہیں؟ مگر حکیم صاحب نے اپنے گرد ایسا حصار کھینچ رکھا تھا کہ کسی کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی۔

پھر یوں ہوا کہ مسلسل تین روز تک اہل محلّہ کو حکیم صاحب کی کھانسی کی آواز سنائی نہ دی۔ لامحالہ تشویش ہوئی کہ خدا خیر کرے، کہیں موصوف نے اپنی بنائی ہوئی دوا تو نہیں آزمائی؟ پڑوسیوں نے بہت دروازہ دھڑ دھڑایا مگر کوئی جواب نہ پایا۔ بالآخر محلے کے ایک لڑکے نے زور آزمائی کا فیصلہ کیا۔ وہ دور سے دوڑتا ہوا آیا اور دروازے کو ٹکر ماری۔ دروازہ اتنا کمزور تھا کہ پہلی ہی ٹکر میں لڑکا دروازے سمیت اندر جا گرا۔ لوگ بھرا مار کر اندر داخل ہوئے۔ حکیم صاحب اپنے بستر پر پڑے سو رہے تھے۔ انہیں جگانے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ کیونکہ وہ ابدی نیند سو چکے تھے۔

چند ہی لمحوں میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے محلے میں پھیل گئی۔ سیانوں کو فکر دامن گیر ہوئی کہ حکیم صاحب کی تدفین کیسے ہوگی؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم تدفین کے اخراجات برداشت کرنے کو تیار ہیں مگر اس کے بدلے حکیم صاحب کے گھر کا مال و اسباب ہمارا ہوگا اس پر محلے کے دیگر افراد نے ناک بھوں چڑھائی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ حکیم صاحب لاوارث آدمی تھے چنانچہ ان کا مال و متاع سب اہل محلّہ کا حق ہے۔ ایک بزرگ نے یہ بھی فرمایا کہ تمام مال و اسباب کسی یتیم خانے میں بھجوا دو۔ اس تجویز پر کچھ لوگ بصد احترام ان بزرگ کو کرسی سمیت اٹھا کر ان کے گھر پٹخ آئے۔ ایک مدبّر شخص نے جھگڑے کا تصفیہ کرتے ہوئے کہا پہلے چل کر جائزہ لے لیا جائے کہ حکیم صاحب کل کتنا مال و اسباب چھوڑ گئے ہیں۔ ایک خاتون نے اپنی بالکونی سے لٹک کر صورتحال پر رواں تبصرہ کرتے ہوئے کہا بڈھا لاکھ دو لاکھ تو چھوڑ ہی گیا ہوگا، اپنے اوپر تو دھیلا نہیں خرچ کرتا تھا۔ بہت چیخ پکار، تو تکار کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ اندر جا کر مال و اسباب کی فہرست تیار کر کے اس کی قیمت کا تخمینہ لگائے۔ اس کے علاوہ ایک اعلیٰ سطح کا کمیشن بھی بٹھایا گیا جو یہ فیصلہ کرے کہ مال کس طرح تقسیم ہو؟ بعد ازاں وہ کمیشن لیٹ گیا کیونکہ اندر جانے والی کمیٹی باہر آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

مکان میں کل تین کمرے تھے۔ پہلے کمرے میں گھستے ہی عجیب و غریب بساند سے دماغ پھٹنے لگا۔ پورا کمرہ رنگ برنگی دواؤں سے بھرا پڑا تھا۔ دوائیں بالکل سڑ چکی تھیں۔ شیشیاں ڈھکن کے زنگ کے ساتھ جڑ گئی تھیں۔ معلوم نہیں انہیں اسٹاک کرنے میں کیا مصلحت تھی؟ "یقیناً حکیم صاحب

نہایت کنجوس آدمی تھے اور اپنی کسی فالتو چیز کو بھی پھینکنے کے روادار نہ تھے۔ "ایک رکن نے بڑبڑاتے ہوئے تجزیہ کیا ..... حکیم صاحب سے شناسائی کا دعویٰ رکھنے والے کمیٹی کے دوسرے رکن نے منہ بنا کر کہا "مرحوم کنجوس ہی نہیں مکھی چوس بھی تھے۔" "مکھی چوس؟" پہلے نے سوالیہ انداز میں حسب توفیق حیران ہو کر پوچھا۔ "جی ہاں! مکھی چوس یعنی اگر دودھ یا چائے میں مکھی پڑ جائے تو یہ مکھی نکال کر چوس لیتے تھے تاکہ دودھ یا چائے ضائع نہ ہو۔" "کیا؟" کمیٹی کے ارکان نے حیرت کے اظہار کے لئے منہ کھلا چھوڑ دیا اور دوسرے کمرے کی طرف بڑھے۔

دوسرا کمرہ کھولا گیا تو کمیٹی کے ارکان کی آنکھیں اندھیرے میں چمکنے لگیں۔ کیونکہ یہ کمرہ کرنسی نوٹوں اور سکوں سے بھرا پڑا تھا۔ روشنی کا انتظام ہوا تو وہ بن کھلے مرجھا گئے، کیونکہ یہ ساری کرنسی اب متروک ہو چکی تھی۔ سکہ رائج الوقت کی ایک پائی بھی اس میں موجود نہ تھی۔ کچھ مغل بادشاہوں کے زمانے کے سکے تھے اور کچھ جنگ عظیم کی یادگار تھے۔ دوسری جانب اخبارات کا ڈھیر چھت کی بلندیوں کو چھوتا نظر آ رہا تھا۔ اخبارات اتنے پرانے تھے کہ یرقان کے مریض معلوم ہو رہے تھے۔ کونے میں ایک بے ڈھنگی سی الماری تھی جس میں باوا آدم کے زمانے کے کپڑے ٹھسے تھے، چند زنانہ کپڑے بھی تھے جو کسی زمانے میں اس گھر میں کسی خاتون کی موجودگی کا پتہ دے رہے تھے۔ کمیٹی کا ایک رکن صدمے سے نڈھال ہو کر گھر کی اکلوتی کرسی پر ڈھے گیا۔ مگر جب کرسی کی اکلوتی ٹانگ اپنی بقیہ تین ٹانگوں کی یاد میں چرچرائی تو وہ فوراً اٹھ گئے۔ باورچی خانے میں جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ برآمدے کے نوادرات یعنی کاٹھ کباڑ کو دھکیلتے ہوئے، کاغذ قلم ہاتھ میں لئے پژمردہ انداز میں تیسرے کمرے کی طرف بڑھے۔ اس کے دروازے پر ڈیڑھ کلو کا تالا پڑا تھا، جسے دیکھ کر کمیٹی کے ارکان کی باچھیں کھل کر کانوں سے جا ملیں۔ تالے کا واضح مطلب یہ تھا کہ "مال" اس کمرے میں موجود ہے۔ تالا توڑ کر دروازہ کھولا گیا۔ بدبو کے بھبھکے نے ان کا استقبال کیا جسے بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیا گیا۔ کمرے میں عجیب سی سیلن بھی محسوس ہوئی۔ یہاں ایک بہت بڑا مقفل صندوق رکھا تھا۔ کمیٹی والوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ صندوق پر گرد موجود نہ تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حکیم صاحب اس کو وقتاً فوقتاً کھولتے رہے ہوں۔ صندوق کا تالا بڑی مشکل سے ٹوٹا۔ اس کا بھاری بھرکم ڈھکن اٹھانے کی کوشش میں ڈھکن تو کھل گیا مگر اسی جھونک میں کمیٹی کے دو ارکان صندوق میں منہ کے بل جا گرے۔ حواس بحال ہوئے تو صندوق کے اندر رکھی ہوئی چیز کو دیکھ کر کمیٹی کے سب ارکان آنکھیں بند کر کے اور حلق پھاڑ کر چیخنا شروع ہو گئے اور چیختے ہی چلے گئے کیونکہ۔

اندر حکیم صاحب کی بیوی کی مصالحہ لگی لاش موجود تھی۔

خصوصی بچت اسکیم

آنکھ مچولی کے ۱۲ شمارے کتنے سستے کتنے پیارے

۵۰ روپے کی خصوصی رعایت اور تحفہ مفت

آنکھ مچولی کے بارہ شماروں کی قیمت
مع دو خاص شمارے اور رجسٹرڈ ڈاک خرچ

۲۱۰ روپے بنتی ہے، لیکن سالانہ ممبر شپ حاصل کرنے والوں کے لیے خصوصی رعایت یعنی ۲۱۰ کے بجائے صرف ۱۵۰ روپے۔ اس طرح گویا مالی منفعت بھی اور علمی فائدہ بھی

آنکھ مچولی بیرون ملک منگوانے کے لئے زرِ سالانہ مبلغ ۳۰۰ روپے
زرِ سالانہ پیشگی دفتر کے پتے پر منی آرڈر کریں اور کوپن پُر کر کے ہمیں بھجوا دیں

سالانہ ممبر شپ آنکھ مچولی ۱۱۲/ڈی سائٹ کراچی نمبر ۱۶

۱۲ ستمبر ۱۹۸۹ء

ارے، یہ جگہ تو بڑی اچھی ہے۔ کتنی نرم نرم سی..... اور مجھ کو بار بار کوئی جھک کر دیکھتا ہے۔ کتنا مہربان چہرہ لگتا ہے۔ یہ میری امی ہیں شاید۔ یہ کون آکر انہیں مبارک باد دے رہا ہے۔ میری آنکھیں ابھی پوری طرح نہیں کھلی ہیں نا اس لئے کسی کو پہچان نہیں رہا..... بھئی آج رات ہی تو میں پیدا ہوا ہوں..... روتا ہوا..... لیکن اتنی مہربان امی کے ہوتے ہوئے مجھے اب رونا نہیں چاہئے۔

۱۳ اکتوبر

لیجئے جناب آج میں ایک مہینے کا ہو گیا..... اور اب تو میری سب سے جان پہچان ہو گئی ہے۔ اور ان سب میں امی کے بعد سب سے اچھے ابو جان ہیں..... وہ جب بھی آتے ہیں مجھے اٹھا کر ہاتھوں پر جھلاتے ہیں..... امی انہیں غصے سے دیکھتی ہیں اور دوبارہ اپنی جگہ پر سلانے کو کہتی ہیں..... لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ ابو مجھے اٹھائے رہیں..... میں ابو سے کہتا ہوں کہ مجھے ابھی نہ سلائیں..... تو وہ ہنس پڑتے ہیں کہ لو بھئی منّا غاؤں غاؤں کر رہا ہے..... اب میں کیا کروں۔ میں جو بات کہتا ہوں سب اسے غاؤں غاؤں سمجھ کر ٹال دیتے ہیں۔

۱۸ اکتوبر

اف..... یہ دوا تو بڑی بے مزہ چیز ہوتی ہے..... کاش امی احتیاط کرتیں تو میں اس کو کھانے سے بچ جاتا..... ہوا یوں کہ کل رات سوتے میں میرا چھوٹا سا کمبل میرے اوپر سے کھسک کر پنگھوڑے کی سائڈ میں چلا گیا۔ اور مجھے اچانک سردی جو لگی تو میری آنکھ کھل گئی..... دیکھا تو کمبل اوپر ہے ہی نہیں..... اب میں اتنا چھوٹا سا ہوں کہ کمبل دوبارہ اٹھا کر اپنے اوپر بھی نہیں ڈال سکتا تھا اور زور زور سے رو کر امی کو جگانے کا دل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ سردی سے بخار ہو گیا ہے اور اب یہ کڑوی دوا پینی پڑ رہی ہے۔

یکم نومبر

آہا ہا..... آج بڑا مزا آیا۔ ابو مجھے اور امی کو کار میں بٹھا کر ہسپتال لے گئے۔ راستے میں بڑے رنگ برنگے منظر تھے امی مجھے گود میں اٹھائے شیشے سے باہر کے منظر دکھا رہی تھیں مگر تھوڑی دیر بعد انہوں نے مجھے گود میں لٹا دیا اور میں باہر کے منظر دیکھنے سے محروم ہو گیا میں نے امی سے کہا کہ مجھے دوبارہ اوپر کریں..... مگر انہیں سمجھ میں نہیں آیا۔ ہنس کر ابو سے کہنے لگیں دیکھیں منّا خوش ہو کر قلقاریاں مار رہا ہے۔

۵ نومبر

اُف..... بڑا درد ہو رہا ہے بھئی..... اور یہ سب میری بے وقوفی کا نتیجہ ہے..... اصل میں ہوا یہ کہ ابو کا چشمہ میرے پنگھوڑے کے ساتھ والی میز پر رکھا ہوا تھا۔ مجھے یہ چشمہ ابو کی آنکھوں پر بہت اچھا لگتا ہے۔ میں نے سوچا کہ آج میں بھی اسے پہن کر دیکھوں۔ بس یہ سوچ کر میں نے

اپنا ہاتھ چشمے کی طرف بڑھا دیا لیکن میز زیادہ دور تھی لہٰذا میں اور کھسکا..... اور کھسکا اور پھر دھڑام سے نیچے..... سر میں بڑی زور سے چوٹ لگی اور ایک بازو بھی دب گیا۔ میں اپنی حرکت پر شرمندہ ہو رہا تھا اور چاہتا تھا کہ امی کو پتہ نہ چلے لیکن میری چیخیں تھیں کہ رک ہی نہیں رہی تھیں۔ مجبوراً روتا رہا۔ امی بھاگی بھاگی آئیں اور گھبرا کر اٹھالیا اور گلے سے لگالیا..... خیر اب تو کافی دیر ہو گئی اس حادثے کو ..... میرا رونا بھی رک چکا ہے مگر سر پر ایک گومڑا بھی تک موجود ہے۔

۸ نومبر

میرے سر کا گومڑا ب ٹھیک ہو گیا ہے۔ لیکن گومڑ میرے سر پر نکلا اور شامت امی جان کی آئی۔ پورے ایک دن ابو اور امی میں بات چیت بند رہی۔ دونوں میں لڑائی بھی ہوئی۔ ہوا یوں کہ جس روز میں گرا تھا، اسی شام کو جب ابو آفس سے آئے تو امی نے فوراً ہی دن بھر کی رپورٹ پیش کر دی۔ ابّو کو جیسے ہی میرے گرنے کا معلوم ہوا وہ امی جان پر بہت ناراض ہوئے اور ان سے کہا کہ وہ نہایت لاپرواور غیر ذمہ دار ہیں۔ آگے سے امی جان نے بھی کچھ کہا جس کے بعد دونوں میں زبردست لڑائی چھڑ گئی۔ میں پہلے تو چپ چاپ لیٹا یہ سارا تماشا دیکھتا رہا لیکن جونہی ابو جان چلائے..... میں زور زور سے رونے لگا۔ دیکھا جائے تو یہ لڑائی ابھی کچھ دیر اور چلتی لیکن میرے رونے کی وجہ سے دونوں گھبرا کر اپنا جھگڑا بھول کر میری طرف متوجہ ہو گئے اور لگے مجھے چپ کرانے۔ چلئے حساب برابر ہوا۔ میری ہی وجہ سے ان میں لڑائی ہوئی اور میں نے ہی ان میں صلح صفائی کرادی۔

۱۵ اپریل ۱۹۹۰ء

معاف کیجئے..... میں بہت دنوں تک ڈائری نہیں لکھ سکا۔ اصل میں ادھر میری طبیعت بھی خراب رہی۔ کبھی بخار، کبھی کھانسی، کبھی معدے کی شکایت۔ کیا کروں عمر ہی ایسی ہے۔ ذرا سی احتیاطی سے طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ پھر امی میرا خیال بھی تو بہت کم رکھتی ہیں۔ حالاں کہ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو انہیں کو پریشانی اٹھانی پڑتی ہے لیکن اس کے باوجود پتا نہیں کیوں وہ مجھے گرم کپڑے پہنانا بھول جاتی ہیں یا بوتل گرم پانی میں دھوئے بغیر اس میں مجھے دودھ دیتی ہیں۔ جس کے بعد میں بیمار پڑ جاتا ہوں۔ ہاں میں یہ بات تو کہنا ہی بھول گیا۔ اب میں فرش پر تھوڑا تھوڑا رینگنے لگا ہوں۔ میں اپنے دونوں ہاتھ فرش پر رکھ کر جب رینگتا ہوں، آگے بڑھتا ہوں تو ابّو بہت خوش ہوتے ہیں وہ تالی بجا بجا کر مجھے اپنی طرف بلاتے ہیں..... میری اس حرکت کو خاندان میں بہت شہرت مل گئی ہے..... کل ہی کی بات ہے۔ امی کی بہن آئیں تو انہوں نے پوچھا

"اور منے میاں کر النگ کرنے لگے؟"

"اف توبہ" امی بولیں "بہن مت پوچھو۔ سارا دن کمرے میں بھاگ دوڑ مچائے رہتا ہے۔"

"ماشاء اللہ، ماشاء اللہ۔" خالہ بولیں۔

میں کونے میں بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اور خوش ہو رہا تھا۔ کسی کے منہ سے اپنی تعریف سنتے ہوئے کتنا مزا آتا تھا۔

۱۱ ستمبر ۹۰ء

پھر وہی ہوا، میں کافی عرصہ تک ڈائری نہ لکھ سکا۔ وجہ وہی پرانی یعنی طبیعت کی خرابی۔ امی جان کی مسلسل بے احتیاطی کی وجہ سے میں مستقل بیمار رہنے لگا ہوں۔ اسی وجہ سے بدن میں سستی اور مزاج میں چڑ چڑا پن پیدا ہو گیا ہے۔ ہر وقت روتے رہنے کو جی چاہتا ہے۔ کافی دُبلا بھی ہو گیا ہوں میری کمزوری کی وجہ امی جان میرے دانتوں کا نکلنا بتاتی ہیں۔ لیکن اصل وجہ وہی ہے جو میں نے بتائی ہے۔ خیر ایک اس عادت کے علاوہ امی جان بہت اچھی ہیں۔ ہر وقت مجھے سینے سے لگائے رہتی ہیں۔ خود میرا دل بھی ان سے الگ ہونے کو نہیں چاہتا۔ کبھی اگر وہ مجھے زمین پر چھوڑ بھی دیں تو میں غصے سے رونے لگتا ہوں اور وہ مجھے پھر گود میں اٹھا لیتی ہیں۔ اب تو یہ حالت ہے کہ وہ اپنے اکثر کام مجھے گود میں اٹھائے کرتی ہیں۔

میں حالاں کہ ایک سال کا ہو گیا ہوں مگر ابھی تک چلنا نہیں سیکھا۔ سیکھوں بھی کیسے۔ گود سے اتروں تو چلوں ناں! ارے ایک سال کے ذکر پر یاد آیا، کل تو میری سالگرہ ہے۔

ہوں، جبھی تو آج ابو دفتر، اور بھیا، باجی اسکول نہیں گئے۔ مگر وہ لوگ تو کہہ رہے تھے کہ آج قائد اعظم کا یوم وفات ہے۔ اس لئے چھٹی ہے............ میں ان قائد اعظم کو جانتا ہوں۔ ہمارے گھر میں ان کی ایک بڑی سے تصویر لگی ہے۔ ایک دن ننھے بھیا اپنی توتلی زبان میں ان کے بارے میں امی جان سے پوچھ رہے تھے تو امی جان نے بتایا تھا کہ قائد اعظم بہت بڑے آدمی تھے۔ میں نے سوچا میں بھی بہت بڑا آدمی بنوں گا۔ اور بہت اچھا بھی۔ نہ جانے کیوں اچھا بننا مجھے اچھا لگتا ہے۔ جب کبھی امی جان میرے رونے سے تنگ آ کر مجھے چپ کرانے کے لئے بڑے خوشامدانہ انداز میں کہتی ہیں۔

"چپ ہو جا میرے لال۔ دیکھو اچھے بچے نہیں روتے............ تم تو بہت اچھے ہو ناں............ بہت پیارے............ ہوں............ شاباش چپ ہو جاؤ۔"

تو میں چپ ہو جاتا ہوں اور میرا دل چاہتا ہے امی یونہی میری تعریف کرتی رہیں مگر اکثر ایسا نہیں ہوتا

جب میں تعریف سننے کے لئے دوبارہ رونے لگتا ہوں تو امی جان تنگ آکر ایک چانٹا مار دیتی ہیں...... لو جی سن لو تعریف۔

ہاں تو میں ذکر کر رہا تھا اپنی سالگرہ کا۔ شام کے وقت ابّو سالگرہ کے لئے سامان خریدنے اور بھیا، باجی اپنے دوستوں کو دعوت دینے کے لئے گھر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ ننھے بھیا سو رہے تھے۔ اور امی جان باورچی خانے میں رات کا کھانا بنانے میں مصروف تھیں۔ میں اکیلا کمرے کے اندر جھولے میں پڑا تھا۔ اور بور ہو رہا تھا۔ آخر کار میں نے اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا۔ امی جان فوراً سب کام چھوڑ چھاڑ کر بھاگیں اور مجھے گود میں اٹھا کر باورچی خانے کے پاس لے گئیں۔ وہ خاصی جلدی میں تھی۔ مجھے دروازے کے پاس بٹھا کر خود پھر کام مصروف ہو گئیں۔ البتہ جاتے جاتے چند رنگ برنگی شیشیاں میرے سامنے ڈال دیں تا کہ میرا دل بہلا رہے اور مجھے اچھا بچہ کہہ کر گویا کہ لازم کر دیا کہ میں کچھ دیر تو اپنی اچھائی کی لاج رکھوں۔

میں تھوڑی دیر شیشیوں سے کھیلتا رہا۔ امی جان اندر باورچی خانے سے ہی مجھ سے کبھی کبھی باتیں کر لیتیں تھیں جن کا جواب دینا میں ضروری نہیں سمجھتا تھا ایک ہرے رنگ کے دودھ والی شیشی مجھے اچھی لگی۔ سوچا ذرا آج ہرا دودھ پی کر دیکھنا چاہئے۔ سفید دودھ بھی مجھے بے حد مرغوب ہے۔ مگر ذائقہ بدلنے میں کیا حرج تھا۔

امی جان میری طرف دیکھے بغیر مجھ سے باتیں کر رہی تھیں .... یا شاید خود سے .... میں اپنے کام میں مگن اس ہرے دودھ کی بوتل کا ڈھکنا کھولنے میں مصروف تھا۔ مگر ڈھکنا نہیں کھلا۔ مجھے غصہ آگیا۔ دھڑام سے وہ بوتل فرش پر دے ماری۔ کانچ کی بوتل کے ٹکڑے ادھر ادھر بکھر گئے اور دودھ نکل کر میری طرف بہنے لگا۔ میں نے جلدی سے دونوں ہاتھوں سے اس کو سمیٹا اور چاٹنے لگا۔ امی جان، جو دھماکے کی آواز سن کر میری طرف متوجہ ہوئی تھیں فوراً لپکیں اور "ہائے میں مر گئی۔" کہتی ہوئیں میرے پاس آئیں۔ میرے ہاتھوں کو دیکھا منہ کو سونگھا تو پریشان ہو گئیں۔ میں ان کی پریشانی سے بے فکر اپنا ہاتھ چاٹنے کی فکر میں تھا۔ مگر امی نے اسے مضبوطی سے پکڑا اور جلدی سے اپنے ڈوپٹے سے صاف کر دیا۔ میں نے اس زیادتی پر احتجاج کرنے کے لئے رونا چاہا اور رونے کے لئے منہ کھولا۔ مگر اس سے پہلے کہ میرے حلق سے آواز نکلتی، امی جان کی انگلی میرے حلق میں گھس چکی تھی۔ وہ برابر تالو پر مساج کر رہی تھیں۔ ایک عجیب طرح کی گدگدی سی پہلے تالو، پھر حلق اور پھر معدے میں محسوس ہوئی اور مجھے فوراً قے ہو گئی۔ امی جان نے اللہ کا شکر ادا کیا اور مجھے فوراً غسل خانے میں لے جا کر کلیاں کروائیں۔ یہ سب کچھ ایسا آناً فاناً ہوا کہ میں کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ البتہ جب

ذرا حواس درست ہوئے تو میں نے صدائے احتجاج بلند کی۔ بلکہ اچھی خاصی بلند کی۔ امی جان نے مجھے بستر پر لٹایا، جھولا جھلایا، لوری سنائی، لیکن میں نے بھی قسم کھالی تھی کہ آج چپ نہیں ہوں گا۔

کچھ دیر بعد امی جان دودھ کی بوتل لے آئیں۔ سفید سفید میٹھا دودھ۔ دیکھتے ہی منہ میں پانی بھرنے لگا۔ قے کرنے اور دیر تک رونے کی وجہ سے ویسے بھی مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ اب دودھ کو سامنے دیکھا تو اور طبیعت مچل گئی..... توبہ ہے صاحب..... یہ پیٹ بھی کیا بُری چیز ہے۔ اچھے بھلے آدمی کی ناک کٹوا دیتا ہے۔ ساری کی ساری خودداری دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ میں نے بھی رونے والی قسم کی طرف سے آنکھ بند کی اور فیڈر کو دیکھنے لگا۔ میٹھے دودھ کا پہلا گھونٹ حلق سے اتارتے ہی میرے خیالات میں تبدیلی آنے لگی..... سوچا اتنا غصہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر ہرا دودھ نہ ملا نہ سہی۔ سفید تو مل رہا ہے۔ اب امی جان بھی اچھی اچھی لگنے لگیں۔ کیوں کہ وہ بھی پیار سے میرے بالوں میں انگلیاں پھیر اور نظروں سے میری بلائیں لے رہی تھیں۔

جب انسان کے پیٹ میں غذا اور سر پر پیار کا سایہ ہو تو نیند بڑے مزے کی آتی ہے۔

رات میں اچانک میری آنکھ کھلی تو دیکھا ابو میرے اوپر جھکے ہوئے مجھے پیار کر رہے ہیں۔ امی جان کی آواز بھی کان میں آئی۔ کہہ رہی تھیں۔

"آج تو مُنا اللہ کے ہاں سے لوٹا ہے۔ اماں جان کے کھانے کے بعد کے شربت کی شیشی پتا نہیں کس طرح اس کے ہاتھ لگ گئی اور اس نے اسے توڑ کر اچھی خاصی دوا چاٹ لی۔ وہ تو میں نے دیکھ لیا اور فوراً الٹی کروادی ورنہ.....!"

ابو جان نے یہ سن کر مجھے ڈاکٹر کو دکھانے کی رائے دی۔ جانے یہ ڈاکٹر لوگ کون ہوتے ہیں جو ہر کسی کو بس دیکھتے ہی رہتے ہیں۔ امی جان برابر کہے جا رہے تھیں۔

"آج تو اللہ نے خیر کر دی..... میرا مُنّا اللہ کے ہاں سے لوٹ آیا۔"

ابھی کچھ ہی دن پہلے امی جان کہہ رہی تھیں کہ میں اللہ میاں کے ہاں سے آیا ہوں۔

پھر ایک دن امی بتا رہی تھیں کہ قائداعظم اللہ میاں کے ہاں چلے گئے ہیں۔ قائداعظم اللہ میاں کے ہاں کیوں چلے گئے؟ میری طرح اللہ کے ہاں سے لوٹ کیوں نہ آئے۔ امی جان نے انہیں بھی الٹی کروادی ہوتی۔ خیر چھوڑیئے اس بحث کو۔ میں سونے کی تیاری کرتا ہوں۔ کل میری سالگرہ ہے۔ آپ سب مجھ کو مبارک باد دیجئے، کہئے۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو مُنا!

سیّد کاشان جعفری

ٹھگوں کا ٹھگ

ریحان صوفے پر نیم دراز اخبار پڑھنے میں مصروف تھا۔ امی ظہران کی تقریب سالگرہ میں مہمانوں کو مدعو کرنے کے لئے کارڈ تقسیم کرنے گئی ہوئی تھیں اور ان کی واپسی شام ۵ بجے تک ہی ممکن تھی۔ ابو کو آفس سے فارغ ہو کر تقریب کے لئے کچھ خریداری کرنی تھی یوں وہ آٹھ بجے سے پہلے گھر نہیں پہنچتے۔ اتنے بڑے گھر میں صرف ریحان ہی اکیلا رہ گیا تھا۔ پہلے تو وہ ویڈیو پر ہانگ کانگ کی سیر کرتا رہا۔ جب اس سے دل بھر گیا تو اخبار بینی میں مصروف ہو گیا۔ آج کل شہر میں دن دھاڑے ڈاکے اور اغوا کی وارداتیں عام تھیں۔ گھر سے چلتے وقت ریحان کی امی اسے خوب اچھی طرح سمجھا گئیں تھی کہ گھر کو اکیلا مت چھوڑنا۔ جب تک میں واپس آ نہ جاؤں کہیں جانا نہیں۔ گھر ہی میں رہنا۔ اور کسی بھی اجنبی شخص

کو گھر کے اندر مت بلانا۔ اور تب ریحان نے کہا تھا کہ امی آپ بے فکری کے ساتھ جائیں میں کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جس سے آپ کو شکایت ہو۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں بچہ ہوں، مگر اتنا بھی نہیں کہ میرے لئے اتنی ساری ہدایتوں کی ضرورت ہو۔

امی کے جاتے ہی اس نے گھر کا دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا۔ اور اب ویڈیو کے بعد اخبار بینی سے دل بہلا رہا تھا..... اچانک کال بیل کی موسیقی سے وہ چونک گیا۔ ایک لمحہ توقف کیا تو کال بیل پھر جھنجنا اٹھی۔ اس وقت کون آ سکتا ہے ..... " ریحان نے وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے سوچا۔ ابھی تو چار ہی بجے ہیں۔ اخبار سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ بے دلی کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا، جب تک وہ دروازے پر پہنچے تیسری بار کال بیل بج اٹھی۔ دروازہ کھولنے سے قبل ریحان نے سوال کیا، "کون ہے ..... " جواب میں ایک نسوانی آواز سنائی دی ..... " دروازہ کھولئے ..... سلیم بھائی ہیں؟" ..... پھر مردانہ آواز آئی ..... "بیٹے ، دروازہ کھولئے۔ یہ سلیم صاحب کا ہی گھر ہے نا" ..... اپنے ابو کا نام سن کر ریحان نے دروازہ کھول دیا۔ "جی ہاں یہ ان کا ہی مکان ہے ..... آپ لوگ کون ہیں"

"ارے بیٹے، گھر میں نہیں بلاؤ گے۔ ہم کوئی غیر نہیں آپ کی آنٹی اور انکل ہیں۔ " خاتون نے مسکراتے ہوئے کہا اور قدم بڑھا کر گھر میں داخل ہو گئی اس کے ساتھ ساتھ مرد بھی..... اب ریحان نے ان دونوں کو ڈرائنگ روم میں لا بٹھایا۔ پھر قدرے ہچکچاتا ہوا بولا ..... " آپ نے بتایا کہ آپ ہماری آنٹی ہیں ..... کیا آپ لاہور سے آئی ہیں..... "

اس خاتون نے کہا ..... "ہاں، ہاں ہم دونوں لاہور سے آئے ہیں۔ ابھی دو بجے عوامی ایکسپریس سے کراچی پہنچے ہیں۔ بڑی مشکل سے یہ پتہ ملا ہے گھر کا..... "

ریحان اس جواب پر سوچ میں پڑ گیا..... یہ دونوں لاہور سے کراچی تک طویل سفر طے کرتے ہوئے پہنچے ہیں مگر ان کے لباس بے شکن اور صاف ستھرے ہیں۔ اور ساتھ میں ایک بریف کیس کے سوا اور کچھ نہیں۔ کم از کم ہلکا پھلکا بستر ہی ساتھ ہوتا ..... معاً اسے خیال آیا کہیں یہ فراڈ نہ ہوں پھر اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ " آپ نے ناحق اتنی پریشانی اٹھائی ٹیلیگرام دے دیتے تو میں ہی اسٹیشن پر آپ کو لینے پہنچ جاتا..... "

" سوچا تو تھا تمہارے انکل نے..... مگر میں نے ہی انہیں ٹیلیگرام دینے سے منع کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ ہم اچانک سامنے پہنچ کر بھائی صاحب اور بھابھی کو سرپرائز دیں گے ..... مگر وہ گھر میں نہیں ہیں تو بات ہی الٹ گئی ..... "

ریحان کو ان باتوں سے اور شک سا ہوا ..... اپنا شک دور کرنے کے لئے اس نے پوچھا ..... "انکل آپ شیخوپورہ میں تو نہیں رہتے۔ عارف انکل کے ساتھ ....." وہ شخص خوش ہوتا ہوا بولا ..... " خوب پہنچانا آپ نے بیٹے ..... میں آپ کے عارف انکل سے چھوٹا ہوں آصف انکل۔ آپ کا۔ "

"اچھا ..... اچھا ..... آصف انکل ....." ریحان کی بانچھیں پوری طرح کھل گئیں۔ آصف انکل آپ نے ہی گزشتہ سال ساتویں کلاس میں پہلی پوزیشن لانے کی خوشی میں پارکر پین بطور انعام بھجوایا تھا....."

آصف انکل کے بجائے خاتون جواب میں بولیں "کیا نام ہے بیٹے آپ کا ..... بھلا سا نام ہے۔ میں اس وقت بھول رہی ہوں۔ " ریحان نے کہا۔ "مجھے ریحان کہتے ہیں ....."

"ہاں، ہاں ریحان میاں آپ کے انکل پڑھنے، لکھنے والے بچوں سے بہت پیار کرتے ہیں۔ آپ کو پسند آیا وہ پارکر پین ..... وہ میرا ہی انتخاب تھا جب کہ آئیڈیا آپ کے انکل آصف کا تھا....."

ریحان اپنے شک کو یقین میں بدلتے دیکھ کر مسکرا اٹھا..... یہ سب اس نے فرضی طور پر کہا تھا۔ لاہور میں اس کے کوئی انکل نہیں رہتے تھے اور نہ ہی کسی نے پارکر پین اسے بھجوایا تھا۔ یہ باتیں تو اس نے اجنبی انکل اور آنٹی کی اصلیت جاننے کے لئے کی تھیں۔

اسے خاموش کسی گہری سوچ میں مبتلا دیکھ کر خاتون نے کہا۔ "ارے ریحان میاں مجھے ہی کچن کا پتہ بتا دیں۔ میں خود چائے تیار کر لوں گی۔ بڑی شدید خواہش ہو رہی اس وقت گرما گرم چائے کی....."

ریحان یہ سن کر ہوشیار ہو گیا۔ اس نے سوچا خاتون اس بہانے گھر کا نقشہ جاننا چاہتی ہے وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا ..... "توبہ، توبہ آنٹی ..... آپ اور چائے بنا کر خود پئیں..... اتنا کام تو میں کر سکتا ہوں۔ امی، ابو سنیں گے تو کیا کہیں گے ..... آپ تشریف رکھیں میں ابھی چائے لے کر آتا ہوں۔ "

ریحان آنے کو ڈرائنگ روم سے تو آ گیا۔ مگر اب وہ سوچ رہا تھا کہ وی۔ سی آر اور ٹی وی تو وہیں رکھا ہے ..... کہیں یہ لوگ اسے اڑا لے جانے کی کوشش نہ کریں۔ مگر پھر یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ اس نے انہیں ڈرائنگ روم سے آگے بڑھنے نہیں دیا۔ یہ دونوں تو مکمل فراڈ ہیں۔ اگر صرف مرد ہی اکیلا ہوتا تو وہ اسے قطعی گھر میں داخل ہونے کا موقع نہیں دیتا۔ عورت کی موجودگی سے وہ

دھوکا کھا گیا۔ مگر اب کیا کیا جائے .... یہ تو اسے یقین ہو گیا کہ ان دونوں سے اس کی تو کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ اور جب اس سے رشتہ داری نہیں تو امی ابو سے کیا رشتہ ہو گا .... "

پھر اسے یہ بات بھی یاد آئی کہ ایسے لوگ اپنے پاس ہتھیار رکھتے ہیں .... اور اسی کی زد پر اہل خانہ کو غسل خانے وغیرہ میں بند کر کے مال اسباب سمیٹ کر رخصت ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ واردات کرنے سے قبل ہوم ورک کے طور پر واردات والے گھر کا خوب جائزہ لیتے ہیں۔ کتنے افراد ہیں .... کون، کب جاتا ہے۔ کب واپس آتا ہے۔ کس گھر سے کتنا مال مل سکتا ہے وغیرہ .... وغیرہ یقیناً ان انکل اور آنٹی نے ہمارے گھر پر کال بیل کا بٹن دبانے سے پہلے سارے انتظامات کا جائزہ لیا ہو گا۔ یہ دو اگر اندر ہیں تو ان کے دوسرے ساتھی یقیناً باہر ہوں گے .... یہ تو بہت ہی برا ہوا .... یا خدا تو ہی مدد کرنے والا ہے اس مشکل وقت میں ....

چائے بناتے ہوئے ریحان نے کئی بار ڈرائنگ روم میں بھی جھانک کر دیکھا۔ ایک دفعہ اس نے محسوس کیا کہ وہ دونوں اشاروں میں کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ وہ ان کے اشاروں کی زبان تو نہ سمجھ سکا مگر دل ہی دل میں ان سے نجات حاصل کرنے کے متعلق ضرور سوچتا رہا .... اس وقت بڑی شدت سے ریحان کو گھر میں فون کنکشن نہ ہونے کا احساس ستا رہا تھا ان دونوں کو گھر میں چھوڑ کر خود مدد کے لئے باہر چلا جانا بھی اسے بہتر معلوم نہیں ہو رہا تھا .... اچانک اس کی نظر کچن کی سائڈ الماری میں ایک شیشی پر پڑی .... سلیپنگ پلز .... اسے یاد آیا کہ اس کی امی اکثر رات کو بے خوابی کے عذاب سے بچنے کے لئے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق نیند کی گولیاں کھاتی ہیں۔ چائے تیار ہو چکی تھی۔ اس نے دو کپ ٹرے میں رکھے اور ان میں بڑی نفاست سے چائے انڈیل کر دو، دو گولیاں سلیپنگ پلز کی ملا دیں چینی وہ شکر دان میں رکھ کر الگ لے گیا۔ "بھئی ریحان میاں بڑی زحمت کی آپ نے ہمارے لئے۔" مرد نے مسکرا کر کہا .... "نہیں انکل .... اس میں بھلا زحمت کی کیا بات ہے .... آپ مہمان ہیں۔ اور مہمان بھی کیسے .... دور سے آئے ہوئے مہمان ہمارے انکل اور آنٹی .... مجھے تو سچ پوچھئے اس زحمت میں بڑی راحت محسوس ہو رہی ہے۔" ریحان نے جواب دیا۔

دونوں نے اپنے اپنے کپ میں اپنی مرضی کے مطابق چینی ڈالی اور پیالیاں ہاتھ میں لے کر ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگے۔ ریحان دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ کہیں اس کی چالاکی کا راز ان پر کھل نہ جائے .... وہ خود نیند کی گولیوں کے ذائقے سے قطعی نا آشنا تھا اور اس کی امی نے بھی کبھی اس کے ذائقے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا .... وہ کنکھیوں سے انہیں چائے پیتا دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں راز کے راز رہنے کی دعائیں مانگتا رہا .... خاتون نے اپنا کپ خالی کر دیا۔ اور اسے واپس ٹرے میں رکھتی ہوئی

ریحان کو مخاطب کر کے بولی ..... "ارے ریحان میاں ..... آپ پھر سوچ میں ڈوب گئے ..... یہ میرے پرس میں پانچ ہزار روپے نقد، سونے کا ایک نیکلس اور طلائی چوڑیوں کا ایک سیٹ ہے پلیز اسے اپنی امی کے بیڈ روم میں رکھ دیں ..... جب جاؤں گی تو لے لوں گی ..... ریحان نے محسوس کیا کہ یہ بھی امی کے بیڈ روم تک پہنچنے کا کوئی بہانہ تو نہیں۔ بیڈ روم میں ہی تو وہ الماری ہے جس میں امی کے زیورات، کل ابو کو ملی ہوئی مہینے بھر کی تنخواہ اور تقریب کے اخراجات کے لئے بینک سے نکلوائی ہوئی رقم رکھی ہے اگر یہ لوگ وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تو پھر کچھ بھی نہیں بچ سکے گا۔ اور اگر جاتے جاتے یہ مجھے ہی اپنی گولی کا نشانہ بنا گئے تو ..... مگر پھر ریحان نے یہ بھی سوچا کہ میں نے انہیں بیڈ روم میں جانے یا ان کا پرس وہاں رکھنے سے منع کیا تو بھی یہ کام زبردستی انجام دے سکتے ہیں۔ پھر اسے خیال آیا کہ امی تو نیند کی ایک ہی گولی ضرورت کے وقت استعمال کرتی ہیں۔ جب کہ میں نے ان کی چائے میں دو، دو گولیاں ملا دیں ہیں۔ ٹھیک ہے انہیں بیڈ روم ہی میں لے چلو، آگے اللہ مالک ہے۔

اس نے کہا "آنٹی ..... اور انکل ..... آپ دونوں ہی بیڈ روم میں چل کر آرام کرلیں یہاں تو بیٹھے، بیٹھے ڈسٹرب ہو رہے ہوں گے یوں بھی طویل سفر کے بعد آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔" ریحان کی باتیں سن کر دونوں ہی خوش ہوگئے۔ شاید اس طرح ان کی دلی آرزو پوری ہو رہی تھی ..... ریحان انہیں بیڈ روم کے دروازے تک پہنچا کر ہی پیچھے ہٹ گیا۔ اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں اخبار لے کر پھر بیٹھ گیا۔ مگر بیڈ روم کی طرف سے وہ قطعی بے خبر نہیں تھا۔

بیڈ روم میں پہنچ کر دونوں مسہری پر ڈھیر ہوگئے۔ سلیپنگ پلز نے اپنا اثر دکھا دیا تھا ..... ریحان نے انہیں اس طرح ڈھیر دیکھا اور خاموشی سے بیڈ روم کا دروازہ بند کر کے خود گھر سے باہر نکل گیا۔

اب اس کے قدم پبلک کال آفس کی طرف تھے۔ اسے پولیس کا ایمرجنسی فون نمبر یاد تھا۔ دو آدمیوں کے بعد اس کی کال کا نمبر آگیا۔ ریحان نے ایمرجنسی پولیس سینٹر کا نمبر ملایا۔ جو فوراً ہی مل گیا۔ اس نے اپنا نام اور پتہ بتا کر سینٹر سے فوری مدد کی درخواست کی ..... ادھر سے جواب ملا گھبراؤ نہیں ہم پہنچ رہے ہیں۔ اسی لمحے ایک موٹر سائیکل پر سے فائر ہوا، اگر ریحان فوراً نیچے نہ بیٹھ جاتا تو گولی کا نشانہ بن جانا یقینی تھا ..... پبلک کال آفس کے مالک نے ریحان کو اندر گھسیٹ کر تیزی سے شٹر گرا دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ جو کوئی بھی ہے شائد اپنا وار خالی جاتے دیکھ کر دوبارہ آدھر آئے۔ کیوں کہ اس نے ریحان کی فون پر ہونے والی گفتگو سن لی تھی .....

دس منٹ کے اندر، اندر ریحان نے گلی میں سائرن بجاتی گاڑیوں کی آواز سنی۔ "شائد پولیس کی مدد پہنچ گئی۔" اس نے زیر لب کہا اور شٹر کھول کر باہر نکلا اور تیزی سے بھاگتے ہوئے گھر کے سامنے رکی ہوئی پولیس وین کے پاس پہنچ گیا۔ ریحان نے گھر میں داخل ہو کر بیڈ روم تک پولیس کی رہنمائی کی....."

پولیس اندر داخل ہوئی تو وہ دونوں پر سکون انداز میں اپنے انجام سے بے خبر سو رہے تھے..... پولیس انسپکٹر نے آگے بڑھ کر دونوں کو نیند سے جھنجھوڑ کر بیدار کیا۔

اسی وقت ریحان کی امی گھبرائی ہوئی گھر میں داخل ہوئیں..... وہ دوازے پر پولیس وین کھڑی دیکھ کر گھبرا گئی تھیں۔ اندر آکر انہوں نے پولیس کے ساتھ اپنے پڑوسیوں کو دیکھا سامنے ایک عورت اور مرد ہتھکڑیاں پہنے سر جھکائے کھڑے تھے۔ انسپکٹر انہیں فوراً پہچان گیا تھا دونوں شاطر مجرم تھے اور پولیس کو کئی وارداتوں میں مطلوب تھے.....

انسپکٹر نے آگے بڑھ کر ریحان کی امی کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا۔ "آپ کے ذہین بیٹے نے اپنی بر وقت ذہانت سے نہ صرف اپنے گھر کو لٹنے سے بچالیا بلکہ شاطر مجرم کو گرفتار کرانے میں قانون کی مدد بھی کی..... اگر ہر شہری اسی طرح ذہانت سے کام لے کر اپنے اوسان بحال رکھے اور گھبرائے نہیں تو کوئی بھی مجرم کامیاب وارادات کا ارتکاب نہ کر سکے..... اور ریحان سوچ رہا تھا کہ واقعی اگر اس کے ذہن میں سلیپنگ پلز استعمال کرنے کی ترکیب نہ آتی تو وہ خود بھی مجرموں کی کارروائی کا شکار ہو چکا تھا.....

قیمت

ایک شخص اپنا ریڈیو فروخت کرنا چاہتا تھا اس کے ایک دوست نے ریڈیو خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا اور کہا، "میں اس کے زیادہ سے زیادہ سو روپے دے سکتا ہوں، تم نے بہت کم قیمت لگائی ہے۔ اس سے زیادہ تو میرا ہمسایہ دے دیا ہے۔" وہ شخص بولا۔

"وہ کتنے دے رہا ہے؟" دوست نے پوچھا۔

"تین سو روپے اور میرا ہمسایہ کہتا ہے کہ ریڈیو بیشک اپنے پاس رکھو لیکن اللہ کے لئے بجایا نہ کرو۔" وہ شخص بولا۔

(سیدہ کاشفہ خاتون نقوی کراچی)

ڈنڈا ڈولی

انعامی لطیفہ

لکھنؤ کے مشہور مولوی نظام الدین حسن صاحب مغفور بھوپال میں جج تھے۔ مسعود ثانی مرحوم نے ملازمت کی درخواست دی، طلبی ہوئی، برہم ہوکر فرمایا "یہ کیسی بے تکی عرضی لکھ لائے ہو، دیکھو اتنے الفاظ کے شوشے غائب ہیں، اتنے حروف پر نقطے نہیں فلاں فلاں دائرے نامکمل ہیں۔ جاؤ ٹھیک کر کے پیش کرو" ثانی مرحوم عرضی لے کر چلے گئے۔ دوسری عرضی پیش کی، پھر طلبی ہوئی، اب کے اور زیادہ برہم ہوئے، پوچھا "کیوں جی یہ عرضی کے چاروں طرف تم نے کیا کیڑے مکوڑے بنا رکھے ہیں" عرض کیا "حضور کوشش تو کی ہے کہ نقطے شوشے دائرے سب اپنی اپنی جگہ پر موجود ہوں پھر بھی احتیاطاً کچھ اور رکھ دیئے ہیں، جہاں کہیں ضرورت ہو ان سے لے لئے جائیں۔"

نوید شہزاد دریا خان

استاد (شاگرد سے) فرحت بخش کو جملے میں استعمال کروں۔

شاگرد۔ اے اللہ میاں فرحت چچی کو بخش دے۔ جنید اختر۔ کراچی

ہم پچھلے سال جب مری گئے تھے تو کس ہوٹل میں ٹھہرے تھے شوہر نے بیوی سے پوچھا۔
"ایک منٹ رکو، بیوی بولی، میں تولیئے دیکھ کر بتاتی ہوں۔"

نوید اختر۔کراچی

ایک ڈاکٹر نے دوسرے ڈاکٹر کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا۔
کمال کر دیا تم نے بالکل صحیح وقت پر اشرف صاحب کا آپریشن کیا ہے۔ اگر ایک دن کی بھی دیر ہو جاتی تو اشرف صاحب خود بخود تن درست ہو جائے۔

خادم حسین جیکب آباد

ایک صاحب اپنے دوست کو بتا رہے تھے "میں جب سوٹ پہن کر جاتا ہوں تو سبزی والا مجھے مہنگی سبزی دیتا ہے اور جب پرانے کپڑے پہن کر جاتا ہوں تو سستی سبزی ملتی ہے۔" یہ سن کر دوست بولا "کل سے تم ہاتھ میں "پیالہ" لے کر جانا سبزی بالکل مفت ملے گی۔"

فہد علی خان۔ کراچی

"میں فلم لائن میں بھی بُری طرح فیل ہو چکا ہوں۔" ایک آدمی بولا۔ دوسرا بولا۔ "اوہ اب تو تمہارے لئے ایک ہی لائن رہ گئی ہے۔" پہلا بولا۔ "کونسی؟" دوسرے نے جواب دیا "ریلوے لائن۔"

یوسف ناصر۔ جمشید روڈ کراچی

ایک شخص اپنے دوستوں کو اپنا نیا فلیٹ دکھانے کیلئے لے جاتا ہے اور کہتا ہے "اس کی ڈیکوریشن میں نے خود اپنے دماغ سے کی ہے۔"
دوست نے جواب دیا "تب ہی کچھ خالی خالی نظر آرہا ہے۔"

رضوانہ شاہ۔ میانوالی

چار لڑکے ہر روز کالج کی کینٹین میں جاکر چائے پیتے اور بیرے کو تنگ کرتے ایک دن انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ انہوں نے بیرے کے پاس جاکر وعدہ کیا کہ وہ انہیں تنگ نہیں کریں گے۔ بیرا بولا۔ جناب میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ آپ کو گاہکوں کی بچی ہوئی چائے نہیں پلاؤں گا۔

احمد سعید کراچی۔

استاد:۔ (شاگرد سے۔) اگر تمہارے پاس دو سیب ہوں اور دو دوست آجائیں تو تم کیا کرو گے۔
شاگرد:۔ ان کے جانے کا انتظار کروں گا۔

کوثر یاسمین۔ شور کوٹ

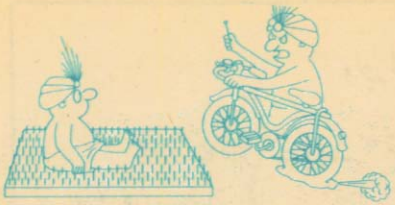

بھکاری:۔ خدا آپ کو صحت دے بڑے میاں! ایک روپیہ تو دیجئے۔
بڑے میاں:۔ "میرے پاس اس وقت ایک ٹکا بھی نہیں!"
بھکاری:۔ "گھر والوں کے پاس تو ہو گا۔"
بڑے میاں:۔ "وہ سب بفضل تعالیٰ صحت مند ہیں۔"

روبینہ ناز، خانیوال

ایک بوڑھی عورت کو ان کی ساٹھویں سالگرہ کے موقع پر ایک بیٹے نے سات زبانیں بولنے والی آٹھ لاکھ روپے کی قیمتی مینا بھیجی۔ سالگرہ کی رات بیٹے نے لندن سے فون کیا اور پوچھا مینا کیسی ہے۔ "بیٹا بہت لذیذ" ماں نے کہا۔

غلام عباس طاہر۔ شور کوٹ

استاد:۔ (شاگرد سے) تم کلاس کے سب سے نکمّے لڑکے کیوں ہو؟
شاگرد:۔ اس لئے کہ جو لڑکا مجھ سے نکمّا تھا وہ اسکول چھوڑ گیا ہے۔

نور احمد۔ رحیم یار خان

مرنے کے بعد بھی میری عادت نہیں گئی

نصیحت

گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی ایک سپاہی اپنے افسر کی ساتھ ساتھ رہتا تھا جنگ ختم ہوئی تو افسر نے اسے شاباش دی اور پوچھا "تم مجھے بچانے کیلئے اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالتے رہے" سپاہی بولا۔ "جناب میری والدہ نے مجھے نصیحت کی تھی کہ بیٹا جنگ میں ہمیشہ اپنے افسر کے ساتھ رہنا کیونکہ افسر لوگ بہت کم مارے جاتے ہیں۔"

نسرین رفیق دریا خان

وجہ اختلاف

استاد نے کلاس سے پوچھا۔ "تم میں سے کون کون جنگوں کے خلاف ہے۔" پوری کلاس نے ہاتھ اٹھا دیئے۔ استاد نے ایک لڑکے کو کھڑا کیا اور بولا "نوید تم بتاؤ تم جنگوں کے خلاف کیوں ہو؟" "سر اس لئے" نوید بولا "کہ جنگوں کی وجہ سے ہی ہمیں تاریخ پڑھنی پڑھتی ہے۔"

ندیم شاھد ۔ خدوم پور

ملزم:۔ جناب میں بھوکا تھا بے گھر تھا بے یار و مدد گار تھا اس لئے چوری کی۔

جج:۔ تمہاری حالت قابلِ رحم ہے میں چھ ماہ کیلئے تمہارے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا بندوبست کرتا ہوں۔

یاسمین ناز ۔ کراچی

ایک شخص بستی کے واحد سبزی فروش کے پاس گیا اور بولا میں تمہاری دکان کے تمام ٹماٹر اور گندے انڈے خریدنا چاہتا ہوں۔

دکاندار کچھ سوچ کر اچانک ہنس پڑا اچھا میں سمجھ گیا ہوں آپ یہ سب چیزیں اپنے ساتھ میونسپل ہال لے جائیں گے اور اس فنکار کو ماریں گے جو آج شام کو وہاں گانے والا ہے۔

"نہیں ہرگز نہیں، وہ شخص بولا، تم غلط سمجھے ہو میں چاہتا ہوں کوئی بھی شخص اس فنکار پر انڈے اور ٹماٹر نہ برسائے کیونکہ وہ فنکار میں ہی ہوں۔"

ریحانہ شکیل ۔ کراچی

کیمسٹری کے پروفیسر اپنی بیوی سے ناراض ہوگئے تو بیوی رونے لگی۔ پروفیسر بولے مجھ پر تمہارے رونے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ یہ آنسو ہیں کیا چیز؟ کسی قدر فاسفورس سالٹ، ذرا سا سوڈیم کلورائڈ اور باقی پانی۔

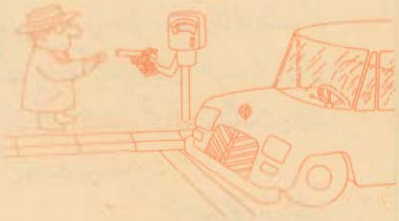

عنبرین عشرت

ایک دن کی چانسلر

نائلہ صدیقی

"اس مضمون کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"خیال!!!" ہم نے ہاتھ میں پکڑے مضمون پر دوبارہ نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"جی میرا مطلب ہے کہ آپ اس مضمون کے بارے میں کیا رائے دیتے ہیں؟"

"جی ہاں کیوں نہیں، میں اسے باآسانی گھٹیا قرار دے سکتا ہوں۔" ہم نے اطمینان سے کہا۔

"گھٹیا؟ آپ خود گھٹیا انسان ہیں، آپ کی سوچ گھٹیا ہے اور رائے بھی، سمجھے؟" موصوف بھبھک کر بولے اور مضمون چھین کر پیر پٹختے باہر نکلے گئے۔

قارئین! آپ حیران ہوں گے کہ یہ کیا ہوا؟ دراصل ہوا یوں کہ ہمیں بچوں کے ایک رسالے کی ایک دن کی ادارت کا اعزاز مل گیا۔ کیوں کب اور کیسے ملا؟ اس کی تفصیل چھوڑیئے۔ فی الحال ہم آپ کو یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ ایک دن کی ادارت کے دوران ہم پر کیا گذری؟ جب ہم گردن اکڑائے ایڈیٹر کی کرسی پر براجمان ہو گئے تو ہم نے ایک انوکھا فیصلہ کیا وہ یہ کہ جن لکھنے والوں کو اپنی تحریریں شائع کروانی ہیں وہ خود اپنی تحریریں لے کر ہمارے دفتر آئیں تاکہ ہم سامنے ہی تحریر پڑھ کر موقع پر ہی فیصلہ دے دیں۔ ساتھ ہی ہم نے یہ بھی طے کر لیا کہ کسی قیمت پر گھسے پٹے، غیر معیاری اور نقل شدہ مضامین

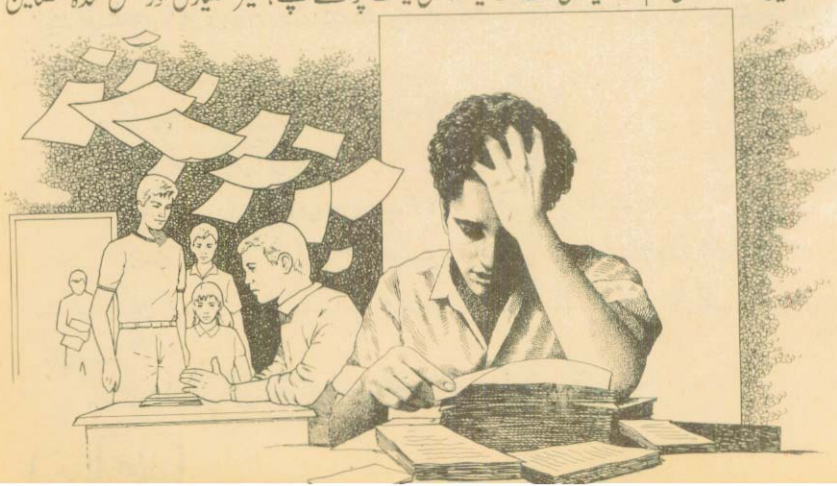

اشاعت کے لئے منتخب نہیں کریں گے۔ اب اس انقلابی فیصلے اور ایک دن کی ادارت کے نتیجے میں ہمیں کیا کیا بھگتنا پڑا؟ یہ آپ بھی پڑھئے!

"یہ کیا ہے؟"

"ایک واقعہ!"

"ہوں" ہم واقعے میں گم ہو گے۔

"یہ واقعہ کس کے ساتھ پیش آیا تھا؟" ہم نے سوال کیا۔

"چچ چچا کے ساتھ۔" موصوف ہکلائے۔

"چچا؟ کہیں آپ کے چچا کا نام چرچل تو نہیں تھا؟"

"جی!!!" لڑکا گھبرا گیا۔

"ہمارا مطلب ہے کہ یہ واقعہ تو چرچل کے ساتھ پیش آیا تھا، ہاں البتہ یہ ممکن ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آرہا ہو تو آپ کے چچا بھی وہیں کہیں موجود ہوں اور سادگی میں یہ سمجھ بیٹھے ہوں کہ یہ واقعہ ان کے ساتھ پیش آرہا ہے۔ اس لئے انھوں نے آپ کو یہ واقعہ سنا دیا۔" ہم نے تشریح کی۔ لڑکا ایک لفظ کہے بغیر اٹھ کر باہر نکل گیا۔

"یہ قصّہ دیکھئے" ایک لڑکی نے اپنا پلندہ ہماری طرف بڑھایا۔

کیا ہے؟"

"ایک دلچسپ قصہ"

"دلچسپ" ہم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر قصے میں دلچسپی تلاش کرنے لگے۔ "اگر دلچسپ قصّے ایسے ہوتے ہیں تو پھر بدمزہ، روکھے پھیکے قصّے کیسے ہوتے ہیں ہمشیرہ؟" ہم نے دردناک لہجے میں سوال کیا۔

"آپ اس کی دلچسپی کو محسوس کرنے کی کوشش تو کیجئے۔"

"اچھا! ارے نظر آگئی دلچسپی" مل ہی گئی دلچسپی" ہم چلائے۔

"کہاں کہاں دلچسپی محسوس ہوئی آپ کو؟" اشتیاق سے پوچھا گیا۔

"جہاں "ختم شد" لکھا ہے اس چھوٹے سے لفظ میں آپ نے دلچسپیوں کا ایسا خزانہ سمو دیا ہے کہ کیا بیان کروں؟ آئندہ سے آپ صرف یہ لفظ لکھ کر لے آیا کریں باقی قصہ ہم خود لکھ لیں گے۔"

"ہنھ!" لڑکی غراتی ہوئی اپنا دلچسپ قصہ سینے سے لگائے باہر چل دی۔

"یہ لطیفہ پڑھیے، اسے پڑھ کر آپ کے پیٹ میں بل پڑ جائیں گے۔" ایک لطیفہ پیش کرتے ہوئے کہا گیا۔

"محترم! اب اس لطیفے کے سارے کس بل نکل چکے ہیں اور وہ دن گئے جب یہ لطیفہ پیٹ میں بل ڈالتا تھا اب تو یہ صرف تیوری پر بل ڈال سکتا ہے۔"

"تو پھر یہ لطیفے پڑھیے۔" حوصلہ ہارے بغیر کہا گیا۔

"پڑھ لیئے ہیں، بچپن سے اب تک یہی لطیفے پڑھ رہے ہیں، اب اور کتنی دفعہ پڑھیں؟" ہم کلبلائے

"تو پھر یہ لطیفے؟"

"یہ لطیفے اگر چھاپ دیئے جائیں تو ان پر انعام بھی رکھنا پڑے گا۔"

"جی ہاں بہترین لطیفے پر، ہے ناں؟"

"جی نہیں اس سوال پر کہ بچو! بتاؤ ان لطیفوں میں ہنسنے والی کون سی بات تھی؟ جو بچہ اس سوال کا جواب دے گا اسے انعام دیا جائے گا۔"

"مگر انعام میں کیا دیا جائے گا؟"

"یہی لطیفے۔" ہم نے قہر آلود لہجے میں کہا اور اگلے صاحب کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"یہ دیکھیے! میری ڈائری کے چند صفحات۔" موصوف نے چند صفحات ہمیں تھمائے۔

"ہوں غالباً یہ صفحات شیکسپیئر کی ڈائری سے پھاڑے گئے ہیں۔"

"جی کیا مطلب؟"

"یہ باتیں آپ نے خود لکھی ہیں؟"

"جی بالکل سو فیصد۔"

"اچھا!" غالباً شیکسپیئر مرتے وقت آپ کو اپنے تمام اقوال ایک ڈائری میں لکھ کر دے گیا ہو گا کہ بیٹا! میرے مرنے کے بعد اسے اپنے نام سے چھپوا لینا کیوں یہی بات ہے ناں؟" ہم نے فاتحانہ نگاہ ان پر ڈالی وہ پھنکارتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"یہ میں نے اقبال پر ایک مضمون لکھا ہے۔ ان کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے۔" ایک لڑکی ڈرتے ڈرتے بولی۔

"تو اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟ اقبال اب زندہ تو رہے نہیں جو آپ اتنا ڈر رہی ہیں، لایئے دکھایئے کیسا ہے آپ کا مضمون؟ ہوں! اس مضمون کو پڑھ کر مجھے محسوس ہو رہا ہے آپ کا ڈرنا بجا

ہے شکر کیجئے کہ یہ مضمون آپ نے علامہ کی زندگی میں نہیں لکھا ورنہ ..... خیر جایئے توبہ کیجئے اور آئندہ کسی بزرگ ہستی کو خراج تحسین پیش کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا ورنہ جان لیجئے خدا کی لاٹھی بے آواز ہے۔" لڑکی کچھ نہ سمجھتے ہوئے مایوسی سے چل دی۔

"یہ ایک مزاحیہ مضمون ہے۔" ایک صاحب نے چند صفحات ہمارے سامنے میز پر رکھتے ہوئے اعلان کیا۔

"اچھا! لایئے پڑھ کر دیکھتے ہیں۔" مضمون پڑھنے کے بعد ہم نے ٹھنڈی سانس لی اور پوچھا۔

"کیا آپ کے والدین بہت ظالم ہیں؟"

"جی نہیں۔" حیران آواز میں جواب ملا۔

"پھر کیا آپ کی والدہ سوتیلی ہیں خدانخواستہ؟"

"نہیں تو۔"

"کیا معاشرے نے آپ کو بہت دکھ دیئے ہیں؟"

"جی نہیں" وہ چلائے۔

"تو پھر یہ مزاحیہ مضمون لکھ کر آپ نے پڑھنے والوں سے کس بات کا انتقام لیا ہے؟

"مم مگر یہ مضمون تو میں نے بہت محنت سے لکھا ہے اگر یہ نہیں چھپا تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔"

اچھا ٹھیک ہے ہم اس مضمون کو "معاشرے کے ناسور" نامی کالم میں لگا دیں گے، اب تو خوش؟" "جی۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے باہر نکل گئے۔

اب ہم اگلے صاحب کی طرف متوجہ ہوئے۔

"جی میں یہ یادگار اور خوفناک واقعات لکھ کر لایا ہوں، یہ واقعات میرے دادا کے ساتھ پیش آئے تھے۔"

"ہوں!" ہم اس کے مسودے میں گم ہو گئے۔ "آہا، بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر" ہم احتراماً کھڑے ہو گئے! "آپ دنیا کے عظیم اور مشہور شکاری جم کاربٹ کے پوتے ہیں۔"

"جی نہیں تو۔" لڑکا گھبرایا۔

اگر آپ کے دادا جم کاربٹ نہیں تھے تو یہ پھر انہوں نے آپ سے جھوٹ بولا ہے کہ یہ واقعات ان کے ساتھ پیش آئے ہیں۔"

"میرے دادا جھوٹ نہیں بولتے تھے۔" لڑکا چیخا۔

"دادا نہیں بولتے تھے مگر آپ تو بول سکتے ہیں ناں؟"

"شٹ اپ!" لڑکا چیخ کر بولا اور جم کا ربٹ یا اپنے دادا کے کارنامے تھام کر باہر نکل گیا۔

"یہ میری کہانی پڑھیے۔" ایک کہانی پیش کی گئی۔

"اوہو! تم نے بہت دیر کر دی یہ کہانی تو پہلے ہی دو لڑکے اور تین لڑکیاں لکھ کر لا چکے ہیں۔"

"کیا؟؟؟" لڑکی غمگین ہو گئی۔ "اور کچھ لائی ہو؟"

"جی یہ نظم ہے۔"

"اچھا اگر یہ نظم ہے تو اس میں اتنی بد نظمی کیوں ہے؟"

"جی یہ آزاد نظم ہے۔" لڑکی نے فریاد کی۔

"آزاد؟ یہ تو کوئی بے راہ رو نظم لگ رہی ہے۔ اس کو ذرا راہِ راست پر لائیے۔" ہم نے نظم واپس کرتے ہوئے مشفقانہ لہجے میں کہا۔

"جی آپ فرمائیے!" ہم نووارد سے مخاطب ہوئے۔

"یہ دیکھئے!" میں نے اپنی بچپن کی یادوں اور واقعات کو مضمون کی شکل دی ہے اس کا عنوان ہے "میرا بچپن۔"

"جی آپ کا بچپن؟ یہ تو رشید احمد صدیقی کا بچپن ہے جس پر آپ نے غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔"

ہم نے ابتدائی سطریں پڑھتے ہی کہا۔

"دراصل میرا اور رشید احمد صدیقی کا بچپن بہت ملتا جلتا ہے۔" لڑکا ڈھٹائی سے مسکرایا۔

"تو پھر ٹھیک ہے، آپ اپنا بچپن واپس لے جائیے جسے آپ کا بچپن پڑھنا ہو گا وہ رشید احمد کا بچپن پڑھ لے گا جو نویں جماعت کی درسی کتاب میں موجود ہے۔"

"یہ کہانی میں نے بہت محنت سے لکھی ہے۔" ایک صاحبہ نے اپنی کہانی بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں محنت تو صاف ظاہر ہے، بھئی مختلف رسالوں سے لطیفے ڈھونڈنا اور انھیں جوڑنا واقعی بہت محنت طلب کام ہے لیکن تم نے لطیفے تو جمع کر لیئے مگر کہانی لکھنا بھول گئیں جاؤ شاباش اس میں تھوڑی سے کہانی ڈال کر لاؤ تب بات بنے گی۔"

"مم مگر کہانی کہاں سے ڈالوں؟"

"وہیں سے جہاں سے یہ لطیفے ڈالے ہیں۔"

"اچھا جی۔" وہ سر ہلاتی ہوئی چل پڑیں۔

"یہ ایک معاشرتی کہانی ہے۔"

"ہوں اس میں کہانی کہاں ہے اور معاشرہ کہاں ؟"

"اس میں معاشرے کے ناسوروں یعنی تخریب کاروں اور دہشت گردوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔" ہمارے اسسٹنٹ نے ہمارے سامنے ایک کہانی رکھتے ہوئے کہا۔

"براہِ کرم آپ اس مصنف کو بے نقاب کیجئے جس نے یہ کہانی لکھی ہے، وہ خود بھی کسی ناسور سے کم نہیں۔" ہم گھسی پٹی کہانی پڑھتے ہوئے بھڑک کر بولے۔ "یہ میری کہانی دیکھئے، یہ بھی ایک معاشرتی کہانی ہے جو ضمیر فروشوں کو کچوکے لگائے گی۔" ایک صاحب نے اپنی کہانی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "فی الحال تو یہ مجھے کچوکے لگا رہی ہے اور شائع ہونے کے بعد قارئین آپ کو کچوکے لگائیں گے، لہٰذا اس کا شائع نہ ہونا ہی بہتر ہے۔"

"لیکن یہ بہت زبردست کہانی ہے، دراصل میں نے منشیات فروشوں کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا ہے۔"

"کبھی آپ ان قارئین کا بھی قریب سے مشاہدہ کیجئے جو اس قسم کی کہانیاں پڑھ پڑھ کر تنگ آچکے ہیں۔"

"ہنھ"۔ وہ صاحب خفا ہو کر باہر چل دیئے۔ اتنے میں گھڑی نے پانچ بجنے کا اعلان کیا اور ہمیں احساس ہوا کہ ہماری ایک دن کی آمرانہ ادارت کا دورانیہ ختم ہو گیا ہے۔ اس اثناء میں ایڈیٹر صاحب کمرے میں داخل ہوئے اور مسکرا کر پوچھا۔ "کیا کچھ منتخب کر لیا؟"

"یہ ہمارے بس کا روگ نہیں۔" ہم نے شرمندہ ہو کر اعتراف کیا۔

"دیکھا! آپ لوگ ایڈیٹر کو کتنا برا بھلا کہتے ہیں، اب پتا چلا کہ ایڈیٹر کتنا مظلوم ہوتا ہے اور اسے کیا کیا بھگتنا پڑتا ہے؟ ہم بڑی مشکلوں سے ایسی تحریریں منتخب کرتے ہیں جو معیاری ہوں اور نقل شدہ نہ ہوں اور اگر اتفاق سے کوئی غیر معیاری مضمون یا نقل شدہ کہانی شائع ہو جائے تو آپ لوگ آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں، ایڈیٹر کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑ پڑتے ہیں"

"خخ خدا حافظ"

ہم نے اس تلخ حقیقت پر مبنی بیان کے جواب میں خدا حافظ کہنا بہتر سمجھا۔ "خدا ہی حافظ" ان کا جوابی خدا حافظ سنتے ہی ہم سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پھر کبھی ادارت کی تمنا نہیں کی۔

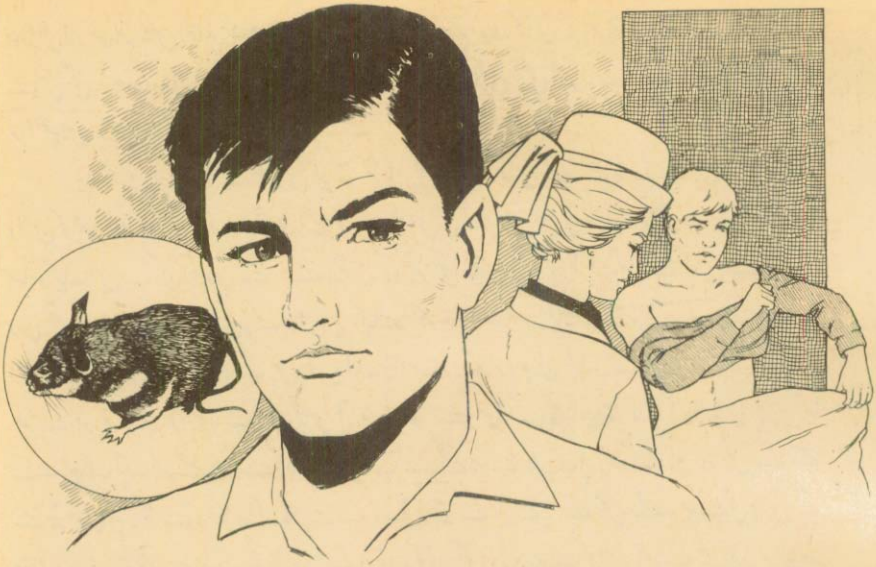

چوہے کی داستان

بشریٰ اشفاق

سرمد آج نوکری کے انٹرویو کے لئے جاتے ہوئے کئی مرتبہ الجھا۔ عین وقت پر گاڑی نے جواب دے دیا۔ سرمد کے لئے ریل گاڑی سے جانا تو کوئی مسئلہ نہ تھا۔ لیکن اسٹیشن تک پہنچنا ایک عذاب تھا اس کا حل اس کے پڑوسی راجو دودھ فروش نے یہ نکالا کہ جس تانگہ میں وہ دودھ کے بنٹے لے جاتا تھا وہ اس نے سرمد کے حوالے کر دیا۔ اور ساتھ کہہ بھی دیا کہ تانگہ اسٹیشن پر چھوڑ دینا میں خود لے لونگا۔

سرمد نے اصطبل نما چھپر میں سے تانگہ نکالا اور اپنا ہولڈال اور ایک بیگ اس میں رکھ کے اسٹیشن کی طرف روانہ ہوگیا۔ تانگہ میں اک طرف بوریوں کا ڈھیر تھا۔ جس میں سے سوکھے چارہ اور چوہوں کی ملی جلی بدبو آرہی تھی۔ سرمد نے آج شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی۔ تاکہ سفر میں سہولت ہو۔وہ آہستگی سے تانگہ اسٹیشن تک لایا۔ پلیٹ فارم سے کچھ دور کچے میں اس نے لگام ایک درخت سے باندھ دی اور اپنا

ہولڈال اور سوٹ کیس اٹھا کر پلیٹ فارم کی طرف چل دیا۔ فرسٹ کلاس میں برتھ کی سیٹ اور برتھ آسانی سے مل گئی۔ جب وہ ڈبے میں پہنچا تو وہاں ایک غیر ملکی خاتون اکیلی بیٹھی تھیں سرمد اوپر کی برتھ پر سامان رکھ کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔

چند لمحوں بعد سرمد نے محسوس کیا کہ کمر کی نچلی طرف گھاس کے تنکے چبھ رہے ہیں۔ قمیص کے دامن کو جھاڑا تو کوئی گرم گرم شے حرکت کرتی ہوئی اس کی قمیص میں اوپر کی طرف چڑھی۔ سرمد ایکدم سن سا ہو گیا۔ اس نے کن اکھیوں سے سامنے دیکھا۔ وہ غیر ملکی خاتون دوسری طرف منہ کئے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھیں۔ سرمد نے آہستگی سے زمین پر بچھا ہوا کارپٹ اٹھایا اور ایک کونہ برتھ کے نچلے سرے پر اٹکایا اور دوسرا کونہ دوسری جانب اس طرح ایک پتلا سا ڈریسنگ روم بن گیا۔ اب سرمد نے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر بڑی آہستگی سے اپنی قمیص اتاری۔ وہ اسے موڑ کر دیکھنا چاہتا تھا۔ کہ اس کی کمر پر کیا ہے۔ اچانک ایک پھرتیلے بھورے رنگ کے چوہے نے لٹکے ہوئے کارپٹ پر چھلانگ لگائی اور اس کے ننھے منے قدموں کی رگڑ سے دھکا کھا کر کارپٹ کے کونے برتھ کے سرے پر سے نکل گئے۔ چوہے کی پھرتی کے مقابل یکساں پھرتی سے سرمد نے کارپٹ کے دونوں کونوں کو موڑ کر چوہے کو اس جھولے میں قید کر لیا اور ڈبے کے فرش پر رکھ کر چھاپ لیا۔

یہ سب کچھ لمحوں سے بھی کم مدت میں ہوا۔ اور عین اس وقت غیر ملکی خاتون نے مڑ کر سرمد کی طرف دیکھا۔

اب اگر آپ نے اپنی قمیص الٹی کر کے گردن میں سے اتار لی ہو اور آستین آپ کے بازوؤں میں پھنسی ہوئی ہوں۔ اور آپ نے اکڑوں بیٹھ کر ایک ٹرین کے فرش پر بچھے ہوئے کارپٹ کو چاروں طرف سے موڑ کر جھولا بنایا ہو۔ پھر اسے دونوں ہاتھوں میں دبا کر بدحواسی سے سامنے والی برتھ کی طرف دیکھ رہے ہوں جبکہ چوہا، پھرتی سے پھدکتے ہوئے باہر نکلنے کی جدوجہد کر رہا ہو۔ تو آپ سرمد کی ذہنی کیفیت کا اندازہ بخوبی کر سکتے ہیں۔

پہلا جو خیال سرمد کے ذہن میں آیا۔ وہ چوہے کا نہ تھا بلکہ اپنے اس پوز کا تھا۔ جسے خاتون گردن موڑ کر بغور دیکھ رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر تجسس کی تمام علامات موجود تھیں۔ اور سرمد ننگے بدن کارپٹ سمیٹے بیٹھا تھا۔

"مجھے کچھ ٹھنڈ سی محسوس ہو رہی تھی۔" ہکلاتے ہوئے سرمد نے صفائی پیش کی۔

"ارے آپ کو ٹھنڈ لگ رہی ہے۔ اور میں آپ سے درخواست کرنے والی تھی کہ ذرا سامنے والی کھڑکی کھول دیں۔

خاتون نے بڑی نرمی اور ملائمت سے کہا۔ "اگلا اسٹیشن آنے میں تو آدھا گھنٹہ باقی ہے۔ میرے پاس تھرماس میں کافی ہے اگر آپ کے کسی کام آسکے تو......"

"نہیں، نہیں۔ میں عام طور پر کافی نہیں پیتا......" سرمد نے جلدی سے انکار کرتے ہوئے جھپٹ کر کارپٹ کو دوسرے کونے سے پکڑا۔ خاتون نے سرسری آواز پر دوبارہ کارپٹ کی طرف گردن گھمائی۔ سرمد کی پوری کوشش تھی کہ خاتون دوسری طرف چہرہ کریں تو وہ کارپٹ سمیت چوہے کو باہر پھینک دے۔ یہ بات نہیں تھی کہ وہ چوہے سے ڈرتا تھا۔ لیکن وہ اس شرمندگی سے بچنا چاہتا تھا جو چوہے کے باہر آنے کے بعد ہوتی۔ سرمد بار بار ہاتھوں کو حرکت دے کر چوہے کو کارپٹ سے باہر آنے سے روک رہا تھا۔

"شاید مجھے ملیریا ہو گیا ہے۔" اس نے اپنے بلاوجہ الٹی سیدھی حرکت کا بہانہ بنایا۔

"ہاں ملیریا بڑا تکلیف دہ بخار ہے۔ آپ تسلی سے برتھ پر بیٹھ جائیں اسٹیشن آنے ہی والا ہے۔"

"جی ہاں جی ہاں" سرمد نے بوکھلا کر بے بسی سے خاتون کی طرف دیکھا۔

"کیا آپ چوہے سے ڈرتی ہیں۔" سرمد نے بے تکا سوال کیا۔

"چوہے سے" حیرت سے خاتون نے دھرایا۔ "ہاں اگر وہ اتنی تعداد میں ہوں کہ آپ کو نقصان پہنچا سکیں۔"

سرمد نے محسوس کیا کہ اس کے جسم کا سارا خون اس کی گردن اور چہرے کی طرف دوڑ گیا ہے۔ اس نے خاتون کو حقیقت بتانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ لیکن آخر کب تک وہ مینڈک کی طرح بیٹھا رہے گا۔ ایک لمحے کے لئے اس کا دل چاہا وہ کارپٹ کو چھوڑ دے لیکن اتنی دیر تک اس مضحکہ خیز پوز میں بیٹھے رہنے کے بعد یہ کام اسے اور بھی مشکل لگا۔ ایک جھنجھلاہٹ سی اس کے ذہن میں پیدا ہوئی۔ اس نے چاہا کہ ایک ہاتھ سے اپنی قمیص دوبارہ گلے میں ڈال لے۔ لیکن جیسے ہی اس نے ہاتھ بلند کیا۔ چوہا پُھد کا اور اسی تیزی سے سرمد نے ہاتھ کارپٹ پر رکھا اور دوسرے لمحے خاتون کی طرف دیکھا۔ خاتون دوبارہ دوسرے طرف مڑ چکی تھیں۔

سرمد کو اطمینان کے ساتھ ساتھ شدید حیرت بھی تھی کہ خاتون نے اس کے اس انداز نشست پر کوئی تبصرہ نہ کیا تھا۔ چوہے پر غصہ اور جھنجھلاہٹ۔

اپنی حالت پر شرمندگی۔

خاتون کے اوپر حیرت اور ان کی خاموشی پر اطمینان بیک وقت کئی جذبوں کی کشاکش نے اس کی قوت فیصلہ کو مفلوج کر دیا تھا۔

وہ ابھی کسی فیصلہ پر پہنچ بھی نہ پایا تھا کہ اچانک ٹرین نے جھٹکا کھایا اور سرمد جو پنجوں کے بل بیٹھا تھا۔ الٹ کر پیچھے گرا۔ اس کے جوتے کچھ دیر ہوا میں اس طرح بلند رہے گویا سگنل دے رہے ہوں۔ اس نے ہاتھوں سے ہوا کو پکڑنے کی ناکام کوشش کی۔ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے چوہے نے ایک طویل جست لگائی اور دروازے سے نیچے نکل گیا۔ ٹرین کی رفتار کم ہو رہی تھی۔ خاتون نے گونا گوں آواز کے اس جلترنگ سے دوبارہ سرمد کی طرف دیکھا۔ سرمد جو چوہے سے نجات پانے پر اطمینان محسوس کر رہا تھا۔ جلدی سے قمیص دوبارہ پہن کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ "بعض اوقات چوہے وبال جان ہو جاتے ہیں۔ خاص طور پر جب وہ کپڑوں کے اندر چڑھ جائیں۔"

"میرا خیال ہے کہ کپڑوں میں چوہے زیادہ آرام محسوس کرتے ہیں ہونگے۔ میرا اسٹیشن آگیا ہے اگر آپ محسوس نہ کریں۔ تو ذرا قلی کو آواز دے دیں۔" "نہیں قلی کی ضرورت نہیں۔ مجھے بھی اسی اسٹیشن پر اترنا ہے۔ آپ کہاں تک جائیں گی۔"

خاتون نے سیاہ چشمہ لگایا۔ چھڑی ہاتھ میں لی اور اطمینان سے کہا۔ "مہربانی آپ کی۔ آپ قلی کو ہی بلا دیں۔ کیونکہ وہ مجھے گاڑی تک پہنچا دے گا۔ آپ کہاں تکلیف کریں گے۔ ویسے بھی ہم نابینا لوگوں کو چھوٹی موٹی مدد ہی کافی ہے۔"

"دھت تیرے کی....." سرمد نے پیشانی پر ہاتھ مارا اور پچھلے آدھے گھنٹہ کی اذیتناک حالت پر خود کو کوستا ہوا دروازے کی طرف مڑ گیا۔

ابنِ شہباز خان

تندرستی ہزار نعمت ہے

آسان ورزشیں جو آپ کو چاق و چوبند بنا دیں گی

کچھ عرصہ قبل ایک امریکی ادارے نے اسی سال سے زیادہ عمر کے صحت مند بوڑھوں کو ایک جگہ جمع کیا اور پھر ماہرین نے اُن کی پوری زندگی پر تحقیق کی اور یہ پتا چلانے کی کوشش کی کہ وہ کون سے عوامل ہیں جن کی بدولت یہ بوڑھے کبھی بیمار نہیں ہوئے اور ابھی تک مکمل طور پر صحت مند ہیں۔

تحقیق سے معلوم ہُوا کہ اُن سب بوڑھوں کی زندگیوں میں صرف دو قدریں مشترک ہیں۔ نمبر۱۔ اعتدال اور نمبر۲ ہلکی پھلکی ورزش۔ صحت سے متعلق، دنیا بھر کے ماہرین اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ زندگی کو خوشگوار بنانے اور صحتمند رکھنے کے لیے "اعتدال" انسان کی پہلی اور بنیادی ضرورت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کھانے پینے سے لے کر زندگی کے ہر معاملے میں میانہ روی اختیار کیجیے ... آپ خوش رہیں گے ... اس بات میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اور اعتدال کے ساتھ ساتھ اگر آپ نے ہلکی پھلکی ورزش کو اپنا معمول بنا لیا تو گویا اچھی صحت کے لیے ایک ضمانت آپ نے خود اپنے ہاتھوں فراہم کر لی۔

یاد رکھیے! صحت مند جسم ہی صحت مند ذہن کا مالک ہوتا ہے۔ جسم صحت مند ہو گا تو فکر کے دھاروں اور سوچ کے زاویوں میں بھی تازگی آئے گی۔ جسم توانا ہو گا تو آپ خوش اور پُردم رہیں گے اور آپ کے اندر ستاروں پہ کمندیں ڈالنے کا حوصلہ پیدا ہو گا۔ کیونکہ بیمار اور قنوطی لوگوں نے اس دُنیا کو کبھی کچھ نہیں دیا۔

"آنکھ مچولی" کی خواہش ہے کہ اس کے قارئین ساتھی، اقبال کا شاہین بنیں، اپنے آپ کو آنے والے وقت کی بڑی ذمّہ داریوں کے لیے تیار کریں۔ لکھنے پڑھنے اور گھر کے کام کاج کے علاوہ تھوڑا سا وقت کھیل کُود کے لیے بھی نکالیں۔ یہ چند ورزشیں جو ہم یہاں پر آپ کے لیے تحریر کر رہے ہیں اُنھیں بغور پڑھیے۔ ہمیں یقین ہے کہ ان پر عمل کرنے سے بہت جلد آپ اپنے اندر نئی تبدیلیاں محسوس کرنے لگیں گے۔

ان سادہ اور آسان ورزشوں کا مختصر سا کورس نکولس کانودیسکی نے تیار کیا ہے، جو جسمانی ورزشوں کے مستند ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ یہ ورزشیں جسم کی دلکشی اور تندرستی کو قائم رکھنے میں مدد دیتی ہیں۔ آپ بھی آزما کر دیکھیے۔ ان سے آپ کے جسم میں لچک، قوتِ برداشت، توانائی، پھرتی اور توازن پیدا ہو گا اور آپ ہر کام مکمل ہم آہنگی، دلچسپی اور تیزی سے نمٹانے لگیں گے۔

لچک :- آپ کا جسم اگر لچکدار ہے تو آپ یہ ورزشیں آسانی کر سکیں گے ۔

(ا) دیوار کی طرف پُشت کر کے سیدھے کھڑے ہو جائیے ۔ دونوں بازو اُوپر اُٹھائیے، سر، کندھے کمر، کُولہے اور بازو دیوار سے لگے رہیں ۔ ہتھیلیاں، کلائی پر سے موڑ لیجیے اور جسم کو بار بار پھیلانے اور کھینچنے کی کوشش کیجیے ۔ اس سے تمام پٹھوں اور اعصاب میں کھچاؤ پیدا ہوگا ۔

(ب) فرش پر سیدھے بیٹھ کر ٹانگیں سامنے پھیلا دیجیے اور پھر پاؤں کی انگلیاں اور انگوٹھے چھُونے کی کوشش کیجیے ۔ ایسا کرتے وقت ضروری ہے کہ دونوں پاؤں آپس میں ملے رہیں اور گھٹنوں میں خم نہ آنے پائے ۔

(ج) سیدھے کھڑے ہو جائیے ۔ بایاں ہاتھ اُوپر اُٹھا کر اُسے پُوری طرح پیچھے لانے کی کوشش کیجیے ۔ دایاں ہاتھ بھی اُسی طریقے سے نیچے کی طرف پھیلا کر پیچھے لائیے ۔ پانچ سیکنڈ اسی حالت میں رہیے ۔ اب دایاں ہاتھ اُوپر اور بایاں ہاتھ نیچے کر کے یہی ورزش دوبارہ کیجیے ۔ اس سے جسم کے مختلف جوڑوں میں لچک اور نرمی پیدا ہوتی ہے ۔

(د) ٹانگیں ملا کر سیدھے کھڑے ہو جائیے ۔ گھٹنے اکڑا لیجیے ۔ دونوں ہاتھوں کی اُنگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر بازو اُوپر اُٹھائیے ۔ ہتھیلی کا رُخ باہر کی طرف رکھیے ۔ اب اس حالت میں آہستہ آہستہ نیچے جُھکنا شروع کیجیے اور جس قدر آسانی سے ممکن ہو، جُھکتے جائیے ۔ اس کے بعد سیدھے کھڑے ہو جائیے ۔ اور اسی ورزش کو دُہرائیے ۔ ورزش کا یہ انداز بھی جسم کے جوڑوں میں لچک پیدا کرنے کے لیے مفید ہے ۔

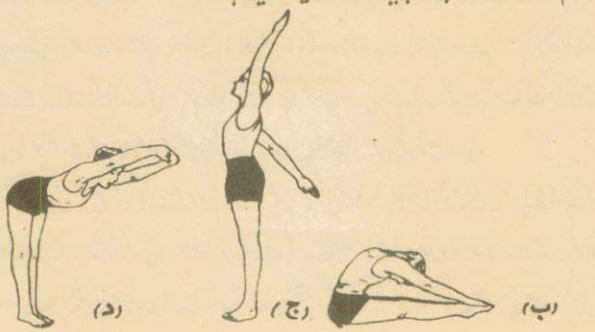

قوّتِ برداشت :- اگر آپ کام کے دوران، جلدی تھک جاتے ہیں تو ان ورزشوں کو آزمائیے ۔

(ا) سیدھے کھڑے ہو کر ہاتھ رانوں پر رکھ لیجیے ۔ کندھے نیچے گرا کر سر جُھکا لیجیے اور ناک کے راستے آہستہ آہستہ سانس خارج کیجیے ۔ پھیپھڑے جب بالکل خالی ہو جائیں تو دونوں بازو اُوپر اُٹھائیے اور بھرپور انداز میں سانس اندر کھینچیے ۔ اس طرح کہ آپ کی چھاتی کا پھیلاؤ کم از کم ۲½ انچ بڑھ جائے ۔

(ب)

(ب) ایک ہاتھ سامنے اور دوسرا پیچھے کی طرف پھیلایئے اور سانس خارج کرتے ہوئے جسم کو موڑنے اور بل دینے کی کوشش کیجیے۔ پھر دونوں ہاتھ سر کے اُوپر لے جایئے۔ ایک ٹانگ گھٹنے پر سے دُہری کر کے اُوپر اُٹھایئے۔ اور آہستہ آہستہ سانس اندر کھینچیے۔ یہاں تک کہ سینہ پھُول کر ڈیڑھ انچ بڑھ جائے۔

(ب)

(ب)

توانائی:- چہرے کی ساخت اور انداز بڑی حد تک اعصابی توانائی اور قوت کا مرہونِ منت ہے۔ سامنے دیے ہوئے خاکے کے مطابق فرش پر بیٹھ جایئے۔ پاؤں کی صرف اُنگلیاں فرش سے چھُوتی رہیں۔ باقی پاؤں قدرے اوپر اُٹھا ہونا چاہیئے۔ اب ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر ہاتھ گردن کے پیچھے رکھ لیجیے۔ کہنیوں کو پوری قوت سے پیچھے دبایئے۔ اب بائیں ٹانگ آگے نکالیے اور جسم کو بَل دے کر بائیں کہنی سے دائیں ٹانگ کے گھٹنے کو چھُونے کی کوشش کیجیے۔ پھر سیدھے بیٹھ جایئے اور اسی طرح دائیں کہنی سے بائیں ٹانگ کا گھٹنا چھُوئیے۔

(ب) ٹھوڑی اور ایک گھٹنا فرش پر رکھ دیجیے ۔ دوسری ٹانگ بالکل سیدھی اُوپر اُٹھائیے ۔ اس کے بعد پاؤں اور ہاتھوں پر زور ڈالتے ہوئے بازو سیدھے کرنے کی کوشش کیجیے ۔ اور پھر فرش پر سے ٹھوڑی اور گھٹنا ایک ساتھ اُوپر اُٹھائیے ۔

توازن :- (ا) اپنے جسم میں توازن کی قوت کا اندازہ کرنے کے لیے دونوں ہاتھ پہلوؤں کی جانب پھیلائیے ۔ ایک ٹانگ گھٹنے پر سے دُہری کرکے اُوپر اُٹھائیے اور آنکھیں بند کرلیجیے ۔ اس حالت میں اگر آپ دس سیکنڈ تک بے حس و حرکت کھڑے رہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے جسم میں اپنا توازن قائم رکھنے کی خاصی صلاحیت موجود ہے ۔

(ب) پہلے کی طرح سیدھے کھڑے ہوجائیے ۔ آنکھیں کھُلی رکھیے ۔ ہاتھ پہلوؤں کی جانب قدرے اُوپر کے رُخ اُٹھائیے ۔ مُڑے ہوئے گھٹنے والی ٹانگ سیدھی کرکے پوری طرح پیچھے کی طرف لے جائیے ۔ آنکھیں بند کرکے آہستہ آہستہ آگے جُھکیے ۔ پوری طرح جُھکنے کے بعد جسم پانچ سے دس سیکنڈ تک اسی حالت میں رہنے دیجیے ۔ اس کے بعد سیدھے کھڑے ہوجائیے ۔ اور یہی ورزش دوبارہ کیجیے ۔ رفتہ رفتہ جسم میں اپنا توازن قائم رکھنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے گی ۔

پُھرتی:- (ا) اپنے قد کی مناسبت سے دیوار پر ایک دائرہ کھینچیے۔ اس کے قریب دونوں ٹانگیں قدرے کھول کر سیدھے کھڑے ہو جائیے اور گھٹنوں میں ہلکا سا خم ڈال کر اسی ہتھیلی سے فرش کو چھوئیے۔ اب تیزی سے سیدھا ہونے کی کوشش کیجیے۔ دس سیکنڈ میں اگر دس بار آپ دائرے اور فرش کو ٹھیک طرح سے چھو لیں تو سمجھ لیجیے، آپ پھرتیلے ہیں۔

(ب) جسم میں پُھرتی پیدا کرنے کے لیے یہ ورزش نہایت مفید ہے۔ ٹانگیں کھول کر سیدھے کھڑے ہو جائیے۔ کندھے پیچھے اور ہاتھ پہلوؤں کی جانب اُوپر اُٹھے ہوئے ہوں۔ اب نیچے جُھک کر بائیں ہاتھ سے پاؤں کے دائیں انگوٹھے کو چھونے کی کوشش کیجیے۔ یہی عمل دوسرے ہاتھ اور پاؤں کے ساتھ دُہرائیے اور بتدریج اُسے تیز تر کرتے جائیے۔ مگر خیال رہے کہ نیچے جُھکتے وقت بازو اور ٹانگوں میں خم نہ آنے پائے۔

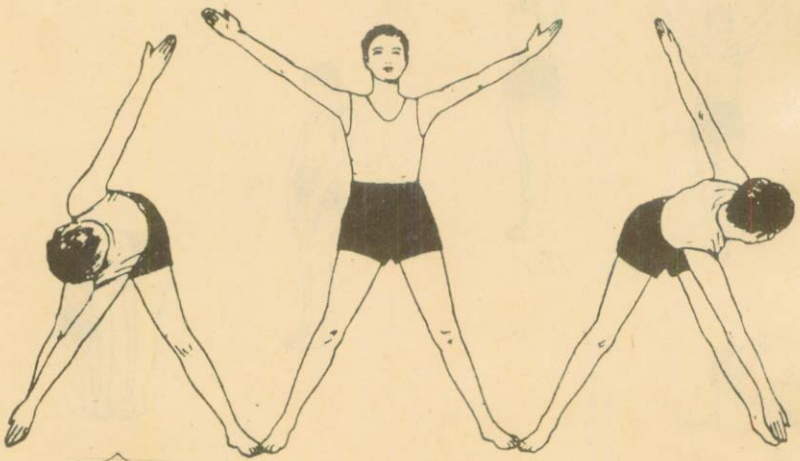

مختصر ورزشیں :- صبح سو کر اُٹھیں تو طبیعت سُست اور مضمحل سی ہوتی ہے ۔ اس سے نجات پانے کے لیے مندرجہ ذیل ورزشیں نہایت مفید ہیں ۔

(ا) سیدھے کھڑے ہو کر ہاتھ سر سے اُوپر اُٹھائیے ۔ پنجوں کے بَل کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ پوری قوت سے اور زیادہ اُوپر لے جانے کی کوشش کیجیے ۔ اس سے جسم میں اینٹھن اور کھچاؤ پیدا ہوگا اور تمام سوئے ہوئے اعصاب میں تحریک پیدا ہوگی ۔

(ب) پنجوں کے بَل فرش پر بیٹھ جائیے ۔ دونوں گھٹنے ہاتھوں کے حلقے میں لے لیجیے اور آہستہ آہستہ پوری قوت سے سارے جسم کو دائیں بائیں بَل دینے کی کوشش کیجیے ۔ ساری سُستی اور اضمحلال فوراً غائب ہو جائے گا ۔

(ج) دونوں ہاتھ سر سے اُوپر لے جا کر انہیں زیادہ سے زیادہ اُوپر اُٹھانے کی کوشش کیجیے اور خوب گہری سانس لیجیے ۔

(د) سیدھے کھڑے ہو کر ہاتھ رانوں پر رکھ لیجیے ۔ کندھے جُھکے ہوئے اور سر قدرے آگے مُڑا ہُوا ہو ۔ ٹانگیں پوری طرح اکڑا کر آہستہ آہستہ نیچے جُھکیے اور ہاتھوں سے فرش کو چھُونے کی کوشش کیجیے ۔

(و)

(ج)

(د)

(ب)

نئے لکھنے والوں کی مختصر تحریروں کا مستقل سلسلہ

کمسن قلم کار

لکھنے سے پہلے پڑھنے کی باتیں

آپ اگر واقعی کم سن ہیں تو مختصر تحریروں کا یہ سلسلہ آپ ہی کے لئے ہے۔ یاد رہے کہ صاف، خوشخط اور مختصر ترین تحریریں جلد شائع ہوسکیں گی۔ جس تحریر کی پشت پر قلم کار کا نام پتا درج نہ ہوگا اُسے مایوسی ہوگی۔ نقل شدہ تحریروں کی سزا "بلیک بکس" برقرار رہے گا۔ کم سن قلم کار چاہیں تو اپنی تحریروں کے ساتھ اپنی تصاویر بھی بھجوا سکتے ہیں۔ تصویر اچھی ہوئی تو ضرور شائع ہوگی۔ قلم کار ساتھی آنکھ مچولی میں شائع ہونے والا نوٹس بورڈ وقتاً فوقتاً ضرور پڑھتے رہا کریں۔ کم سن قلم کار میں شائع ہونے والی تحریروں کو آنکھ مچولی کی اعزازی کاپی روانہ کی جائے گی۔ (ادارہ)

جماعت میں کچھ اس انداز سے سب یار بیٹھے ہیں
نکمے تو ہیں، پیچھے، آگے سب ہشیار بیٹھے ہیں
کبھی مرغا بناتے ہیں، کبھی ڈنڈا برساتے ہیں
ہمارے ماسٹر جی ہر گھڑی تیار بیٹھے ہیں
ہمیں جغرافیہ، جیومیٹری، انگلش نہیں آتی
مگر ہم سائنس اور اردو سے بھی بیزار بیٹھے
ہمیشہ دل دھڑکتا ہے ہمارا امتحانوں میں
کہ اک اک امتحان میں جانے کتنی بار بیٹھے ہیں
کچھ ایسی بات ہے کہ پاس ہونے میں نہیں آتے
کئی بار امتحان میں نقل بھی مار بیٹھے ہیں
کہاں سوئی پڑی ہے اپنی قسمت کس سے یہ پوچھیں
وہ وہ تو سو رہی ہے اور ہم بیدار بیٹھے ہیں

سچ کا انعام

شیخ عبدالمجید کاموکے

سیٹھ صاحب کا وسیع کاروبار تھا۔ لیکن وہ ذرا سخت طبیعت کے تھے۔ جو کوئی بچہ ان کے پاس کام سیکھنے آتا ان کی سخت طبیعت سے بہت جلد اکتا جاتا اور کام ادھورا چھوڑ کر بھاگ جاتا اگرچہ ان کا کام زیادہ سخت نہیں تھا۔ صرف دکان کو وقت پر کھولنا، بند کرنا، صفائی کرنا، لکڑی کاٹنا، اسے مختلف جگہوں پر پہنچانا اور اس طرح کے چھوٹے موٹے کاموں میں مدد دینا تھا۔

امجد غریب ماں کا بیٹا تھا۔ اس کی ماں چاہتی تھی کہ وہ اچھا سا کام سیکھ لے تاکہ اس کا سہارا بنے۔ وہ اسے سیٹھ صاحب کے پاس کام سیکھنے کے لئے چھوڑ گئی۔

"کیا میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں اگر تم مجھے بہتر کام کر کے دکھاؤ گے تو میں تمہیں اس کا بہترین معاوضہ دوں گا" سیٹھ نے امجد سے کہا۔

بدقسمتی سے امجد کو صرف تین دن ہی ہوئے تھے کہ لکڑی کا سخت ٹکڑا کاٹتے ہوئے آری ٹوٹ گئی۔ وہ بہت خوفزدہ ہوا کہ اس سے بے احتیاطی ہوئی ہے۔

"سیٹھ صاحب آپ کو سخت سزا دیں گے" امجد کے ساتھ دوسرے کام کرنے والے بچوں نے کہا۔

"میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا اتفاقاً ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ بڑے بڑے کاریگروں سے بھی اوزار ٹوٹ جاتے ہیں" اس نے افسردگی سے کہا۔

"میرے دوست سیٹھ صاحب اتفاقاً کو بھی معاف نہیں کرتے۔" ایک دوسرے لڑکے نے کہا۔

"پہلے بھی کئی ایسے واقعات ہو چکے ہیں سیٹھ صاحب نے کسی کو معاف نہیں کیا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے" میں اس ٹوٹی ہوئی آری کو کہیں چھپا دوں" امجد نے پوچھا "ہاں یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ ورنہ صاحب کے غصے کو تم نہیں جانتے۔" ایک بچے نے اسے مشورہ دیا۔

امجد نے ڈر کے مارے آری کو چھپا دیا۔ دکان کو بند کر کے گھر کو چل دیا۔ اس نے ان کے کہنے پر عمل تو کر لیا۔ لیکن وہ بہت پریشان تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی ماں کو سب کچھ بتا دے۔ مگر اس کی ماں بھی گھر پر نہ تھی۔

رات کو وہ سونے کے لئے لیٹا۔ مگر اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ فوراً اس کے ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نہ وہ سیٹھ صاحب کو سچ سچ بتا دے۔ یہ سوچ

کر وہ چارپائی سے اٹھا اس کے قدم خود بخود سیٹھ کے گھر کی طرف چل دیئے۔

دروازے پر ہی اسے سیٹھ صاحب مل گئے۔

"جناب مجھ سے آری ٹوٹ گئی ہے۔" امجد نے کہا۔

"اس سے پہلے کہ آپ خود اسے دیکھیں میں نے سوچا کیوں نہ میں خود آپ کو بتا دوں۔"

"اتنی رات گئے صرف مجھے تم یہ بتانے آئے ہو۔ تم مجھے صبح بتا دیتے۔" سیٹھ نے کہا۔

"مجھے ڈر تھا کہ اگر میں کچھ وقت ٹھہر گیا تو پھر کسی غلط بیانی سے کام نہ لے لوں۔" امجد نے کہا!

سیٹھ صاحب نے امجد کی طرف دیکھا اور سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"امجد بیٹے آری ٹوٹنے کی فکر نہ کرو۔ اب تم گھر چلے جاؤ اور آرام سے سو جاؤ مجھے تمہارے سچ بولنے سے بہت خوشی ہوئی ہے۔ تم نے ثابت کر دیا ہے کہ میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں۔"

اس طرح سچ بولنے سے اس نے سیٹھ صاحب کا دل جیت لیا۔ انہوں نے سارا کاروبار امجد کے حوالے کر دیا۔ وہ ان کا دست راست بن گیا اور دن بدن ترقی کرنے لگا۔ امجد کو معلوم ہو گیا کہ یہ سب کچھ اس کے سچ کا انعام ہے اور ماں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

مزارِ قائد

غلام عباس طاہر، شورکوٹ

کراچی شہر میں بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کی پیدائش ہوئی اور اسی بارونق شہر میں آپ اپنی آخری منزل کی طرف روانہ ہوئے اور محترم قائد کو کراچی ہی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

مزارِ قائد تقریباً چھ لاکھ مربع گز کے رقبہ پر شہر کے قلب میں واقع ہے۔ احاطہ چھ ہزار ایک سو مربع فٹ پر مشتمل ہے چار دیواری پر لوہے کی خوبصورت جالیاں نصب ہیں۔ مزارِ قائد کے احاطہ میں داخل ہونے کے لئے چار بڑے گیٹ ہیں ان میں دو مین گیٹ ہیں ایک صرف غیر ممالک کے سربراہوں اور اعلیٰ سرکاری حکام کی آمد پر کھلتا ہے۔ دوسرا مین گیٹ ایم۔ اے جناح روڈ کی سمت میں واقع ہے اس مین گیٹ سے طویل سیڑھیوں تک ۱۵ تالاب ہیں ہر تالاب ۲۸ فٹ چوڑا اور ۵۰ فٹ لمبا ہے۔ تالابوں کے دائیں بائیں چھوٹے بڑے ۱۲۰ درخت ہیں ہر درخت کے نیچے دائیں بائیں دو چھوٹی سرچ لائٹیں نصب ہیں۔ مزارِ قائد کا خوبصورت نمونہ بمبئی کے مشہور ماہر تعمیرات مسٹر یحییٰ مرچنٹ نے تیار کیا اور سنگ بنیاد ۸ فروری ۱۹۶۰ء میں رکھا گیا۔ پہلے مرحلے میں اڑھائی سو فٹ وسیع چبوترا تعمیر ہوا۔ جس کے تہہ خانے میں اصل مزار محفوظ کر دیا

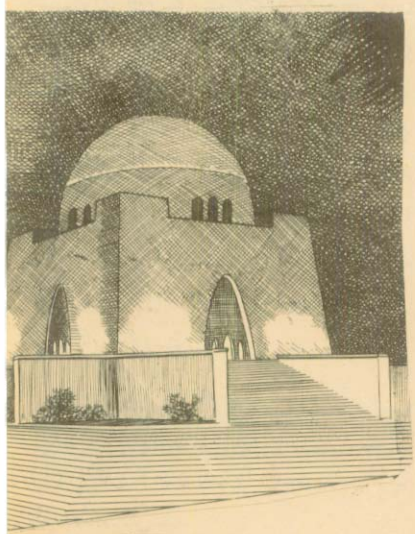

گیا۔ یہ تہہ خانہ ایک سو چودہ فٹ گہرا ہے مقبرے کی بنیادوں میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی قرار داد کی دستاویزات اور قائد اعظم کی مختصر سوانح عمری بھی لکھ کر دفن کر دی گئیں۔مزار کا گنبد سطح زمین سے ۱۲۵ فٹ بلند ہے قبر سنگ مرمر کی ہے اور اس پر قرآنی آیات کندہ ہیں مزار کے ہال کے چار بڑے اور چار چھوٹے دروازے ہیں۔ گنبد کی تعمیر پر چھ لاکھ روپے خرچ ہوئے۔مرکزی ہال میں ٹھوس چاندی کا ۱۳ فٹ لمبا ۱۰ فٹ چھوڑا خوبصورت جالیوں کا بنا ہوا کٹہرا نصب ہے جس سے تقریباً ۲ فٹ کے فاصلے پر پیتل کی خوبصورت جالیوں کا ۲۱ فٹ ۱۸ انچ لمبا اور ۱۷ فٹ ۴ انچ چوڑا کٹہرا چاندی کے کٹہرے کی حفاظت کے لئے اس کے اطراف میں نصب کیا گیا۔ چاندی کے کٹہرے کا وزن ۱۸ ہزار تولہ اور مالیت ۲ لاکھ ۲۵ ہزار روپے ہے۔ مزار کے مرکزی ہال میں گنبد کے بیچ ایک انتہائی خوبصورت فانوس لگا ہوا ہے یہ فانوس پاکستان کے عظیم دوست چین کے سابق وزیر اعظم جناب چو این لائی نے اپنے عوام کی طرف سے خاص طور پر مزار کے لئے حکومت پاکستان کو ۲۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو پیش کیا۔ فانوس کی لمبائی ۱۵ فٹ ہے وزن تقریباً ۳ ٹن ہے یہ فانوس اپنی مثال آپ ہے۔ مزار پر روشنی پھینکنے کے لئے فلڈ لائٹ کے تقریباً ۹۰ فٹ بلند لوہے کے چار ٹاور ہیں۔ مزار کی دیکھ بھال کے لئے ۲۶ چوکیدار ۲۰ مالی ۸ فراش کا دفتری عملہ مقرر ہے۔ مزار قائد پر بری، بحری اور فضائی افواج کے دستے باری باری چار ماہ تک پہرہ دیتے ہیں۔

ذہانت شرط ہے

لبنیٰ جیلانی پشاور

(۱) پاکستان کا سب سے بڑا ریلوے ورک شاپ مغلپورہ لاہور میں ہے۔

(۲) پاکستان کی سب سے تاریخی عمارت شاہی مسجد لاہور ہے۔

(۳) پاکستان میں سب سے زیادہ وکیل لاہور میں رہتے ہیں۔

(۴) پاکستان کا خشک ترین صوبہ بلوچستان ہے۔

(۵) پاکستان کا اونچا درہ منرطاع ہے۔

(۶) پاکستان کا پہلا ایٹمی بجلی گھر کراچی میں قائم ہوا۔

(۷) پاکستان کا سب سے بڑا جنگل چھانگا مانگا لاہور ہے۔

(۸) پاکستان کا سب سے بڑا عجائب گھر کراچی میں ہے۔

(۹) پاکستان کا پہلا نیشنل پارک راولپنڈی میں واقع ہے۔

کالے بکرے اور ہم

شمائلہ یعقوب حسن

"ارے بکرے کو سیدھا باندھو۔"

"نہیں اس کے آگے چنے نہ ڈالو کہیں اس کا پیٹ نہ خراب ہو جائے۔"

"ارے اس کے لئے پانی تو لاؤ۔"

یہ آوازیں ہمارے ہی گھر کے افراد کی ہیں دراصل

جب سے گڈو کے عقیقے کے بکروں کی تشریف آوری ہمارے گھر میں ہوئی ہے اس وقت سے یہی آوازیں ہمارے گھر میں سننے کو ملتی ہیں اور ہمارے بہن بھائی، مجال ہے جو ان سے لمحہ بھر بھی دور رہتے ہوں۔ بھئی انہیں ان کی بدبو دار قربت میں رہنا اتنا پسند ہے کہ وہ ان کی موجودگی میں اپنا ہر کام بھول گئے ہیں حتیٰ کہ انہوں نے اس شغل میں اپنے لاڈلے پیٹ کو بھی فراموش کر دیا ہے جو بکروں کے آنے سے پہلے ہر دو منٹ بعد فرج کی چیزیں صاف کرنے پر مامور تھا۔

غرض کہ ہمارے بہن بھائیوں کو جتنا عشق ان کالے بکروں سے تھا ہمیں اتنی ہی زیادہ نفرت ان سے تھی اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ہم ہمیشہ سے نہایت ہی کمزور دل کے مالک اور ڈرپوک واقع ہوئے ہیں جس کی وجہ سے ہم ان بکروں سے بھی بہت ڈرتے تھے۔ اسی لئے ہم نے انہیں جلد از جلد ٹھکانے لگانے کی مہم شروع کر دی اور ابا جان کو اپنا حکم سنا دیا کہ عقیقہ ہونے تک آپ ان بکروں کو کسی دوست کے یہاں رکھوا دیں کیونکہ اب ہم ان کو اور برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔ مگر ابا جان کے تاثرات سے ہم نے یہ مطلب اخذ کیا کہ انہوں نے ہمارے جارحانہ مشورے کو نو لفٹ کہتے ہوئے دودھ سے مکھی کی طرح نکال پھینکا ہے۔

جب ہمارے بہن بھائی ان بکروں کے ناز نخرے بڑے پیار سے اٹھاتے پھرتے تو ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ ان کی پسند کا درجہ اس قدر نیچے کیوں ہے کیونکہ یہ کالی کالی شکل والے بھونڈے بکروں نے انہیں اپنا اس قدر فین بنا لیا تھا کہ کچھ نہ پوچھیں۔

اور تو اور رات کو وہ جب اپنی بھونڈی آواز میں مے مے کر کے ہمارے نازک کانوں کے پردے پھاڑنے کی کوشش کرتے تو ہم نیند سے اٹھ کر اپنے کانوں میں روئی ٹھونسے بغیر نہ رہ سکتے تھے اور ہماری اس حالت کے پیش نظر ہمارے چھوٹے بہن بھائی اور محظوظ ہوتے اور کہنے لگتے، آہا بکرے بول رہے ہیں کوئی کہتا "ان کی آواز کتنی میٹھی ہے" اور ہم ان لوگوں کے تاثرات سن کر ان کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے اور ہمارا جی چاہتا کہ ہم ان بکروں کو اسی وقت گڑپ میں دھکا دے کر آجائیں۔ مگر ہمارے بہن بھائی اتنے ڈھیٹ واقع ہوئے تھے کہ اپنی چہ میگوئیاں جاری رکھتے اور اپنے حسین تاثرات کو خوبصورت الفاظ کا جامع پہنا کر ہمارے سر پر ہتھوڑے برساتے رہتے۔

آج صبح جب ہمارے بہن بھائی اٹھے تو لگے راگ الاپنے کہ وہ اسکول نہیں جائیں گے کیونکہ ان کی غیر موجودگی میں نہ جانے ان کے لاڈلے بکروں کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا جائے۔

امی نے جب ان کا مدعا سنا تو ان کو خوب جھاڑ پلائی اور بڑی مشکلوں سے انہیں اسکول بھجوایا۔ ان کے جانے کے بعد ہم نے بھی سکون کا سانس لیا اور امی کے ساتھ کچن میں کام کروانے لگے اتنے میں امی نے ہم سے فرج میں سے انڈے لانے کو کہا تو حکم کی بجا آوری کی خاطر ہم فرج کی طرف لپکے اور ابھی ہم نے انڈے نکالے ہی تھے کہ نہ جانے ان کالے بکروں کی رسی کیسے کھل گئی اور وہ ہمارے جانب آنے لگے گویا وہ ہم سے دشمنی نکالنے کی خاطر ہمارے قریب تشریف لا رہے تھے اس وقت ہمارے ہاتھ پاؤں فٹ بال کی سی تیزی سے پھولنے لگے اور ہماری سٹی بالکل ہی گم ہو گئی۔ اتنے عرصے میں یہ کالے بکرے اپنی گول آنکھیں نچاتے ہوئے اور پتلی پتلی کمریں ہلاتے ہوئے ہمارے بالکل قریب مقابل آ کھڑے ہوئے اب تو ہماری جان ہی نکل گئی ہم نے انڈوں کی ٹرے کے ہمراہ وہاں سے دوڑ لگائی

قسمت کی خرابی کہ انہوں نے ہمیں دوڑتا دیکھ کر ہمارے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا۔ کوئی پانچ منٹ ہمارے درمیان یہ ریس جاری رہی بالا آخر وہ ہمارے تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے اب تو ہماری حالت بالکل ہی غیر ہو گئی کیونکہ ہم جو پچھلے پانچ منٹ سے انڈوں کو سنبھالے ہوئے تھے وہ اب ہم سے سنبھلے نہیں سنبھلتے تھے بالا آخر ہمیں انڈوں سے شکست کھانی ہی پڑی اور سارے انڈے زمین پر آگرے۔ لیکن بکروں نے ہماری جان بخشی پھر بھی نہ کی اور انڈوں کو اپنی سوکھی ٹانگوں سے مزید چکنا چور کرتے ہوئے ایک دفعہ پھر ہم پر دھاوا بول دیا اور ہمارے پیچھے دوڑنے لگے اب ہم پر مزید ظلم یہ ہوا کہ ہماری اس ریس کے بیچ میں انڈوں نے روڑا اٹکایا اور ہم پھسل کر زمین پر آگرے۔

اسی اثناء میں بکرے ہمارے بالکل قریب آگئے اور ہمارے غصے کو دیکھ کر ہمیں ایسے گھورنے لگے جیسے وہ کہہ رہے ہوں ”دیکھ مگر پیار سے“۔

خیر ہم بڑی دلیری سے زمین سے اٹھ کر بکروں کے جھمگٹ سے آزاد ہوئے ہی تھے کہ دروازے پر بغیر دستک کے ہی بہت سے بچے بمعہ والدین کے ہمارے گھر میں داخل ہوئے جو کہ غالباً لاہور سے عقیقے میں شرکت کی غرض سے تشریف لائے تھے انہوں نے جو ہمیں زمین پر گرا، انڈوں سے نہایا دیکھا تو خوب قہقہے لگائے مگر ہم جان بچی سو لاکھو پائے کو ہی بہتر سمجھتے ہوئے غسلخانے کی طرف دوڑے۔

خدا خدا کر کے شام کو بکرے ذبح ہوئے تو ہمارے بہن بھائیوں کی آنکھیں لاڈلے بکروں کی جدائی کے غم سے پرنم ہو گئیں مگر ہماری پوری کی پوری بتیسی باہر کو نکل آئی کیونکہ ہمیں اب ان کی بدبو دار قربت سے رہائی حاصل ہو چکی تھی۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو سب جانتے ہیں کہ وہ درویش اور ولی تھے۔ لیکن یہ کم لوگ ہی جانتے ہیں کہ وہ بہت بڑے تاجر اور کروڑ پتی آدمی تھے۔ ایک دفعہ آپ دوستوں میں بیٹھے تھے۔ ایک ملازم نے آکر اطلاع دی ”حضور! بہت بری خبر لایا ہوں۔ ہمارے چار تجارتی جہاز جو ہندوستان سے واپس آرہے تھے۔ طوفان میں گھر کر ڈوب گئے۔“

آپ نے فرمایا ”الحمد للہ“ اور پھر باتوں میں لگ گئے۔ وہی ملازم تھوڑی دیر بعد آیا اور کہا ”اے شیخ! مبارک ہو طوفان ضرور آیا تھا مگر ہمارا کوئی جہاز نہیں ڈوبا۔“ آپ نے یہ سن کر دوبارہ ”الحمد للہ“ کہا اور باتوں میں مشغول ہو گئے۔ ایک شخص کو جو شیخ صاحب کی زیارت کو بڑی دور سے آیا تھا۔ بہت تعجب ہوا اور بولا شیخ صاحب یہ کیا ماجرا ہے جب ملازم بری خبر لایا تو آپ نے تب بھی الحمد للہ کہا اور جب خوش خبری لایا تو تب بھی آپ نے وہی لفظ دہرایا۔ بات معمولی ہے جب میرا ملازم جہازوں کے ڈوبنے کی خبر لایا تو میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو اس میں ذرا بھی فکر یا غم کا نشان نہ تھا۔ بعد میں جب وہ جہازوں کی سلامتی کی خبر لایا تو میں نے پھر اپنے دل پر نگاہ ڈالی اس میں خوشی کی کوئی علامت نہ تھی۔ اس پر میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے میرے دل کو اتنا اچھا بنایا ہے کہ وہ ہر حالت میں

معمول پر رہتا ہے۔ ہمارا مال و دولت سب خدا کے لئے ہے۔ اس کو جائز طریقے سے حاصل کرنا چاہئے۔ اور نیک کاموں میں خرچ کرنا چاہئے اس کے جانے اور آنے کا غم اور خوشی فضول ہے۔ یہی اصل درویشی اور فقیری ہے۔

اچھی باتیں

محمد سعید آفتاب
نواب شاہ

۱..... تم خوش رہنا چاہتے ہو تو دوسروں کو دیکھ کر حسد نہ کرو۔

۲..... اگر انسان چاہے تو اپنی ناکامیوں سے بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔

۳..... علم دلوں کو اس طرح زندہ رکھتا ہے جس طرح بارش زمین کو۔

۴..... سچائی کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت بھی نہیں کر سکتی۔

۵..... اخلاق کی کوئی قیمت نہیں مگر ہر چیز کو اخلاق سے خریدا جا سکتا ہے۔

زندگی کے بہترین اصول

عامر مجید خان

آرام کرو	وقفوں کے ساتھ
ادا کرو	عجلت کے ساتھ
انتظار کرو	صبر کے ساتھ
اعتماد کرو	یقین کے ساتھ
بولو	اختصار کے ساتھ
بحث کرو	دلیل کے ساتھ
پیو	آہستگی کے ساتھ
جھکو	انتخاب کے ساتھ
ادا کرو	وقار کے ساتھ
جانچو	فراخدلی کے ساتھ
جیو	حوصلے کے ساتھ
چلو	اعتماد کے ساتھ
خرچ کرو	سمجھ کے ساتھ
عطا کرو	فیاضی کے ساتھ
عبادت کرو	محبت کے ساتھ
خدمت کرو	آمادگی کے ساتھ
غور کرو	گہرائی کے ساتھ
عمل کرو	بے خوفی کے ساتھ
کام کرو	خوش اسلوبی کے ساتھ
کھیلو	فرصت کے ساتھ
منصوبہ بناؤ	ذہانت کے ساتھ
مقابلہ کرو	احتیاط کے ساتھ
محبت کرو	سچائی کے ساتھ
محنت کرو	دیانت کے ساتھ
کھاؤ	اعتدال کے ساتھ
دیکھو	دلچسپی کے ساتھ
سنو	توجہ کے ساتھ
سانس لو	روانی کے ساتھ
سفر کرو	سبک افتار ساری کے ساتھ
سوچو	جذبہ تعمیر کے ساتھ
نہاؤ	پابندی کے ساتھ
ورزش کرو	باقاعدگی کے ساتھ
ہنسو	متانت کے ساتھ

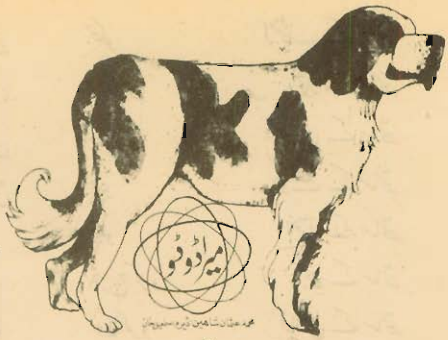

میرا ڈوڈو

محمد عثمان شاہین ڈیرہ اسماعیل خان

ہم نے ایک ہے کتّا پالا
ہے وہ **نہایت** بھولا بھالا
نام رکھا ہے اس کا ڈوڈو
کھیلتا ہے وہ ہم سے لڈو
کھیلنے کا ہے یہ دلدادہ
ستھرا ستھرا سیدھا سادہ
بچّو اس سے بچ کے رہنا
جب بھی آنا چھپ کے آنا
جب بھی کوئی گھر میں آئے
دیکھ کے یہ اسکو غرائے
بچوّں کا ہے یہ شوقین
تنگ ہے اس سے اب شاہینؔ

کھڑکی کے بھوت

حسن لیق، لاہور

"میری خالہ ابھی آجائیں گی مسٹر خالد۔"

ایک پندرہ سالہ بچی نے جس کا نام سائرہ تھا بڑی خود اعتمادی سے کہا۔

خالد جس کا پورا نام خالد احمد تھا شہروں کی گہما گہمی سے دور ایک گاؤں میں شکار کی غرض سے آیا تھا۔

اچانک بچی بولی۔

"کیا آپ اس قصبے کے لوگوں کو جانتے ہیں؟"

"جی بالکل نہیں" خالد نے کہا "میری بہن کوئی چار سال پہلے یہاں قیام پذیر تھیں۔"

میری بہن نے آپ کی خالہ کے نام خط دیئے تھے تاکہ میں یہاں ہفتے دو ہفتے ٹھہر سکوں۔

یہ سن کر بچی بولی "اس کا مطلب ہے کہ آپ میری خالہ کے متعلق کچھ نہیں جانتے ہیں۔"

خالد بولا "جی ہاں میں صرف ان کا پتا اور نام جانتا ہوں۔"

بچی بولی "آپ یقیناً حیران ہونگے کہ ہم سردیوں کے موسم میں یہ کھڑکی کیوں کھلی رکھتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ آج سے ٹھیک تین سال پہلے میرے خالو ان کے دو چھوٹے بیٹے اور ان کا کتا سردیوں کے موسم میں شکار کرنے گئے تھے اور وہیں کہیں دلدل میں غرق ہوگئے تھے۔ خالہ بیچاری اب تک یہ سمجھتی ہیں کہ خالو اور ان کے بیٹے واپس آجائیں گے۔ میرے خالو جب گئے تھے تو انہوں نے سفید رنگ کی برساتی پہن رکھی تھی۔"

اچانک کمرے میں اس لڑکی کی خالہ داخل ہوئیں اور خالد سے پوچھا "آپ کو اس بچی نے بور تو نہیں کیا ہوگا؟"

خالد بولا "نہیں بہت ہی دلچسپ بچی ہے۔"

خالد کو یہ بات شدت سے احساس دلا رہی تھی کہ اس بچی کی خالہ اس کی باتوں میں کم اور کھڑکی کی طرف زیادہ توجہ دے رہی ہے۔

(بچی کی خالہ) جو بے خیالی میں بیٹھی ہوئی تھیں اچانک چلا اٹھیں۔

"آخر وہ آہی گے عین چائے کے وقت۔"

خالد نے گھبرا کر کھڑکی کی طرف دیکھا اسے شام کے دھندلاہٹ میں تین آدمی اور ایک کتا نظر آیا۔ اچانک

خالد اٹھا اور بھاگ کھڑا ہوا۔

وہ تینوں اندر آئے اور اس لڑکی کے خالو بولے۔

"وہ کون تھا جو ابھی ابھی گھر سے نکلا تھا۔"

وہ بچی بولی "میرا خیال ہے کہ وہ صاحب کتے سے ڈر گئے کیونکہ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ انہیں کتوں سے شدید نفرت ہے۔" یہ کہہ کر بچی چپ ہو گئی۔ اس کی عادت تھی کہ فوراً کوئی نہ کوئی جھوٹا قصہ گھڑ لیتی تھی۔

اس کی بات سن کر اس کے خالو اور اس کے بیٹوں نے ایسے سر ہلایا جیسے سب سمجھ گئے ہوں اور اندر چلے گئے۔

ہمدردی

ہمدردی ایک انسانی جذبہ ہے۔ انسان کسی بھی جاندار کو چاہے وہ انسان ہو یا حیوان، اگر مصیبت میں دیکھتا ہے تو اس کا دل فوراً مدد کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ جس شخص میں یہ جذبہ نہیں، وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔ دنیا کے ہر مذہب نے ہمدردی کی تلقین کی ہے۔

دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں جو کبھی غم، مصیبت یا پریشانی میں مبتلا نہ ہو۔ اگر انسان خود غرض ہو جائے اور دوسروں کے دکھ درد میں شریک نہ ہو تو زندگی گزارنا دشوار ہو جائے۔ اگر آج ہم مصیبت میں کسی کے کام آئیں گے، اور پریشانی کے وقت کسی کے آڑے آئیں گے تو کل وہ بھی کسی آفت میں ہمارا ساتھ دے گا۔ ہمدردی دکھ سکھ بانٹنے کا نام ہے۔ ہمدردی ایک اخلاقی اور معاشرتی ضرورت ہی نہیں بلکہ ایک مذہبی فریضہ بھی ہے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے زیادہ کوئی رحمدل اور ہمدرد انسان اس زمین پر نہیں گزرا۔ آپؐ کی زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمدردی کے قابل صرف ہمارے عزیز و اقارب اور دوست آشنا ہی نہیں بلکہ دشمن اور غیر مذہب کے لوگ بھی ہیں۔

ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی سے پیش آنے کی وجہ سے پڑوسیوں سے تعلقات خوشگوار رہتے ہیں۔ دوستوں سے دوستی بڑھتی ہے اور دشمن بھی اپنی عداوت ترک کر دیتے ہیں۔ اسی جذبے میں ملک اور قوم کی بھلائی اور خوشحالی چھپی ہوئی ہے۔ اس لئے ہمیں ہمدردی کو اپنا شعار بنانا

چاہئے کیونکہ اس سے اللہ اور اس کے رسولؐ دونوں خوش اور رضامند ہوتے ہیں بقول علامہ اقبال ۔

ہیں لوگ وہی اس جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

قرآن مجید کے بارے میں متفرق معلومات

۱۔ قرآن مجید میں کل سات منزلیں ہیں۔
۲۔ قرآن مجید میں کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں۔
۳۔ قرآن مجید میں کل ۶۶۶۶ آیات ہیں۔
۴۔ قرآن مجید میں کل ۵۴۰ رکوع ہیں۔
۵۔ سورۂ فاتحہ کو باب القرآن کہتے ہیں۔
۶۔ سورۂ یٰسین کو روح القرآن کہتے ہیں۔
۷۔ قرآن مجید میں دشمن اسلام کے نام سے سورۃ لہب موجود ہے۔
۸۔ قرآن مجید میں نماز کی تاکید سات سو مقامات پر آئی ہے۔
۹۔ قرآن مجید میں سورۂ یوسف میں بیان کردہ قصے کو احسن القصص کہا گیا ہے۔
۱۰۔ قرآن مجید میں جبریلؑ کا لقب روح الامین ہے۔

میں عاشق آنکھ مچولی کا

نور محمد نون

کوئی عاشق دنیا داری کا
کوئی عاشق کار سواری کا
کوئی عاشق ڈنڈا ڈولی کا
میں عاشق آنکھ مچولی کا

ہر ماہ یہ سج کر آتا ہے
ہر اچھی بات بتاتا ہے
جب رات کو ہم سو جاتے ہیں
یہ خواب میں اکثر آتا ہے
ہے اس سے رشتہ ہم سب کا
سچ بات ہے دامن چولی کا
میں عاشق آنکھ مچولی کا

جو بچے بھولے بھالے ہیں
جو بچے پڑھنے والے ہیں
خواہ گورے ہیں خواہ کالے ہیں
وہ سب اس کے متوالے ہیں
یہ مرکز ہے، یہ مسکن ہے
ہم سب بچوں کی بولی کا
میں عاشق آنکھ مچولی کا

کوپن کا صفحہ

آنکھ مچولی کے مختلف مقابلوں یا تحریری سلسلوں میں شرکت کے لئے جا بجا کوپن چھاپنے سے رسالے کے بدنما ہونے کا اندیشہ رہتا ہے اسی لئے تمام کوپن اس صفحے پر یکجا کر دیئے گئے ہیں۔

آنکھ مچولی کی سالانہ خریداری کا کوپن

نام _____ کلاس _____ عمر _____

ارسال کردہ کل رقم _____ بذریعہ _____ دستخط _____

پتا _____

_____

ردشن مثال میں شرکت کا کوپن

نام _____ عمر _____ جماعت _____

مشاغل _____ پسندیدہ مضمون _____

کوئی اہم کامیابی _____

پتہ _____

دُودھ کی بدولت
ریشم جیسے بال — نرم ملائم کھال
روشن روشن آنکھ — موتی جیسے دانت
کہتے ہیں کہ "صحت مند جسم صحت مند ذہن کی علامت ہے"
ماہرین برسوں کی تحقیق کے بعد دُودھ کو مکمل غذا
اور صحت مند جسم کی ضمانت قرار دیتے ہیں۔
اللہ میاں نے دُودھ میں کیلشیم، پروٹین
وٹامنز اور بہت سے معدنی اجزا متوازن
مقدار میں شامل کردیے ہیں۔ یہی وہ اجزا
ہیں جو اچھی صحت، بیدار ذہن اور خوشگوار زندگی
کی ضمانت ہیں۔
اگر آپ نے ہر روز دو گلاس دُودھ پینا اپنی عادت بنالیا
تو گویا آپ نے صحت مندی کا راز پالیا۔
دانائی کی بات سنو
دُودھ پیو — مضبوط بنو
اشتہار برائے بہبود اطفال، منجانب آنکھ مچولی۔ کراچی

کیا آپ نے بھی کوئی روشن مثال قائم کی ہے؟

اس تعارفی سلسلے میں صرف وہی ساتھی شریک ہو سکیں گے جنہوں نے کسی بھی شعبے میں کوئی نمایاں کام یا اہم کامیابی حاصل کی ہو مثلاً۔ امتحان میں پوزیشن، مختلف نوعیت کے مقابلوں میں کامیابی، کوئی اہم سماجی کام، کوئی اور کارنامہ.....

○ ..... اپنی کامیابی کی تصدیق اپنے تعلیمی ادارے کے سربراہ سے ضرور کروائیں ورنہ تعارف شائع نہ ہو سکے گا۔

○ ..... آپ کی تصویر ایک خاص سائز میں مطلوب ہوگی۔ سائز کے لئے ایک فریم شائع کیا جا رہا ہے۔ تصویر اس سائز سے بڑی ہو نہ چھوٹی۔ تصویر صاف کٹی ہوئی ہو ورنہ کسی طور شائع نہ ہو سکے گی۔

یاد رہے! ہر ماہ شائع ہونے والے تعارف میں سے بہترین اور زیادہ باصلاحیت ساتھی کو (BEST OF MONTH) کا خطاب دیا جائے گا اور اس کا تعارف ٹیلی ویژن سمیت مختلف اداروں کو بھجوایا جائے گا تاکہ اس کی صلاحیتوں کو قومی سطح پر متعارف کروایا جا سکے۔

○ ..... پرائمری سے بارہویں تک کے طلباء و طالبات اس میں شریک ہو سکتے ہیں مگر طالبات کے پتے شائع نہیں کئے جائیں گے۔ ○ ..... کوپن کا آنا شرط ہے

جو صفحہ نمبر ۱۳۵ پر موجود ہے۔

روشن مثال

اُن ساتھیوں کا تعارف
جنہوں نے کسی بھی شعبے میں
نمایاں کامیابی حاصل کی ہو

امجد خان
۱۸ سال، بارہویں
مشاغل:۔ سائیکلنگ اور قلمی دوستی
پسندیدہ مضمون:۔ بیالوجی
اہم کامیابی:۔ میٹرک" اے گریڈ
اور سائیکلنگ میں انعام
مکان نمبر ۱۵ بلاک نمبر بی / ۲۷۵
ٹرانزٹ کیمپ، راولپنڈی

امجد حسین تانی
۱۷ سال، نہم
مشاغل : نامعلوم
پسندیدہ مضمون: بائیلوجی
اہم کامیابی: حفظِ قرآن کے
وفاقی امتحان میں ۹۵ فیصد
نمبروں کے ساتھ پہلی پوزیشن
پتہ نہیں بھجوایا، کراچی

فواد احمد
۱۸ سال - ایف ایس سی
مشاغل: کھیلوں اور تقریری مقابلوں
میں شرکت کرنا
اہم کامیابی: میٹرک میں اے ون گریڈ
C/O رشید اللہ ملک بالمقابل کشمیر محل
سینما، جلالپور جٹاں، گجرات

محمد ادریس قریشی
۱۷ سال، انٹرمیڈیٹ
مشاغل: کہانیاں اور ناول لکھنا
پسندیدہ مضمون: اُردو
اہم کامیابی: میٹرک میں اے ون گریڈ
۵/۲۲۸ منڈی بہاؤالدین
ضلع گجرات

نوشین صدیقی
۱۴ سال، ہفتم
مشاغل: مصوری اور آنکھ مچولی پڑھنا
پسندیدہ مضمون: انگریزی
اہم کامیابی: کے جی سے ہفتم
تک اوّل و دوئم

عقیل حسین
۱۳ سال، نہم
مشاغل: کتب و رسائل پڑھنا
پسندیدہ مضمون: کیمیا
اہم کامیابی: آٹھویں میں پہلی
پوزیشن
۲ گرہ تاج کالونی، کراچی ۴۳

حماد الرحمٰن گورایہ
۱۵ سال، دہم
مشاغل: مطالعہ کرنا
پسندیدہ مضمون: اُردو
اہم کامیابی: اسکاؤٹنگ میں سرٹیفکیٹس
ممتاز بسیرا، گلی غلام محمد ٹھیکیدار
گلی نمبر ۱، گوجرانوالہ

امی ابو کا صفحہ

نئی نسل کی کردار سازی
اور تربیت کے لئے راہ نما خطوط

ہما سلیم

کتنے عظیم ہیں وہ والدین جو اپنے بچوں کی خاطر ہر دکھ جھیلتے ہیں، ہر طرح کے مصائب کا مقابلہ کرتے ہیں مگر ان کے حصول علم کی راہ میں کسی مجبوری کو رکاوٹ نہیں بننے دیتے۔

اتفاق نیوز ایجنسی

سب دوستوں کے لئے
ایک دوستانہ مشورہ
پیارے دوستو!
آپ کی طرح مجھے بھی سوئیٹس، ٹافیز اور ببل بے حد پسند ہیں لیکن میں خریدتے وقت بہت احتیاط
سے کام لیتی ہوں اور صرف مے فیئر خریدتی ہوں۔
کیونکہ یہ بہترین اجزا سے صحّت کے اصولوں پر تیار ہوتی ہیں اور سب سے زیادہ مزیدار ہیں۔
—— آپ سب دوستوں کے لئے 'میرا دوستانہ مشورہ ——
ہمیشہ مے فیئر کی سوئیٹس اور ٹافیز کھائیں۔ اپنی صحت کا خیال رکھیں۔
■ مے فیئر سوئیٹس اور ٹافیز ■ مے فیئر ببل ■ مے فیئر ملکا چیو
■ مے فیئر فروٹا چیو (اورنج اور اسٹرابیری)
Fruta Chew
Fruta Chew
Milka Chew
mayfair
-the sweet favourites
Bubble

REGD. No. M-266 MAY 1991

MONTHLY AANKH MICHOLEE KARACHI